دشت شام

عبدالعزیز خالد

پہلی بار ——— جولائی ۱۹۶۵ء
ناشر ——— انور سیٹھی
ایوان پبلشر کراچی
کتابت ——— ابنِ رفیق
طابع ——— جاوید پریس کراچی

قیمت

۵ روپے

فہرست

تُو دشتِ شام میں کیا ڈھونڈتا ہے اے شاعر؟

○

لفظوں کو کہاں طاقتِ وصفِ مہِ دلجو؟
چمکے یدِ بیضا تو نہیں بولیں ہو جادو!

اے بادہ درا! عاشقی و قافیہ سنجی!
جب آگ لگے دل میں تو بہنے نہیں آنسو

کیوں کشورِ خاطر نہ ہو پامال و پُر آشوب
اِک فوج ہے مستانِ مۓ ناز کی ہر سُو

کرتے ہیں سرِ راہ شکارِ دلِ گمراہ
مل کر، کبھی تنہا، صنمِ غالیہ گیسو

آتشکدۂ موبد کی طرح مکھڑے فروزاں
دوشیزہ بدن ہیں شبِ نوعروس کی خوشبو

آواز ہیں آہنگِ رباب و دف و سرنا
رفتار ہیں سرمستیٔ ردد و رمِ آہو

زنبورِ عسل ہے کہ کنول کنج کا بھونرا
خال سرِ پستانِ عروسانِ پری رو

کھلتا ہے سرِ بزم سرِ شیشہ و نافہ
مینا کو سمجھتے ہیں چراغِ رہِ مینو

ہم کو نہیں ذوقِ قدح و رطل و قنینہ
ہم تشنہ و سیراب ہیں مانندِ لبِ جو

ہم کیسۂ قاروں ہیں نہ ہم کاسۂ جمشید
عاشق ہیں نظر کردۂ معشوقِ وفا خو

کیوں شوقِ لگد کوبِ حوادث سے ہو نالاں
لپکیں مہِ تاباں کی طرف راہو و کیتو

اس فرقۂ زہاد سے ہشیار ہی رہنا
دل دیرِ مغاں، نوکِ زباں نعرۂ یا ہو

لگتے ہیں خد و خال سے مستعصم معصوم
جھانکو جو نہاں خانۂ دل میں تو ہلاکو

آموختنِ علم تو دشوار نہیں ہے
پا ناموری کی طمعِ خام پہ قابو

شہرت کے خریدار ہیں دولت کے پرستار
ناپید ہیں مردانِ ہنرمند و ہنر جو

ہے تجھ کو اگر درکِ رموزِ ادب و فن
رکھ شعر میں تہ داری و تمثیل کے پہلو

شاعر کو دمِ فکرِ سخن، شعلۂ روشن
خلخال کی آواز ہے یا نالۂ کُو کُو

میں شام کا عاشق ہوں بھاتی ہے مجھے شام
جب گیسوے مشکیں سے مہک اُٹھتے ہیں مُشکبو

فطرت نے تجھے بخشے مقاماتِ تمنّا
تخیّل و تفکّر بھی تو ہے عینِ تگاپو

گُلشن میں بہار آئے شگوفہ بہ شگوفہ
چل روہی کو اے یارِ بروچل، پکے پیلو

کیونکر نہ معطر ہو مشامِ دلِ خالد
چنبے کی کلی ہے سخنِ حضرتِ باہوؒ!

محرمِ جزر و مدِ قلبِ عوام
باخدا ہیں نا خدایانِ کلام

پھوٹے کوہِ صبر سے صبحِ اُمید
خاک ہو عنبر معطّر ہو مشام

اجرِ احساں رایگاں جاتا نہیں
مزرعِ نورِ سحر ہے دشتِ شام

سرگذشتِ صاحبِ تخلیق سُن
لا ینامُ قلبی عینائی تنام

رات ہے وقتِ نماز و گفتگو
صلّوا بالّیلِ وَالنّاسُ نیام

"میری اُمّت، اُمتِ مرحومہ ہے
دوزخِ جاوید ہے اس پر حرام"

امن کا اپدیش پھیلاتا ہوں میں
عام کرتا ہوں محبت کا پیام

زندگی بھر جس کی خاطر بیچ دیں
بندگانِ حرص، لذت کے غلام

روز تا شب، شب ہمہ شب تا سحر
منتظر رندوں کا ہے کاس الکرام

گر ہوس ہے تجھ کو مانع کون ہے؟
وا ہے بابِ میکدہ، کر شغلِ جام!

بندۂ فن ۔ مردِ مسلوب الحواس
لوگ فرزانے کو دیں مجنوں کا نام

آئے دزدیدہ ملاقاتوں کی یاد
ہائے وہ رنگین و شیریں صبح و شام!

ہے بہ آوازِ دلِ ہر بوالہوس
رَبِّ اَنظِرنی اِلیٰ یوم القیام

جس کے دل میں شک کا گہرا زخم ہے
اس کو دینا اے صبا! میرا سلام!

مختصر نظمیں

○

ابرِ باراں کو پپیہا ترسے
عاشقِ نُورِ سحر ہے سُرخاب
چاند کے جلوے کا دیوانہ چکور
ایک دُوجے کے لئے ہم بیتاب!

○

شام ہو گی تو یہی دروازہ کھُلا
چھوڑ کے راہ نکوں گا اس کی
میرے خوابوں میں ملاقات کا جس
دشمنِ جاں نے کیا ہے وعدہ!

○

اس انتظار میں
کہ خواب میں
تم آؤ گی
میں ساری رات جاگتا رہا!

○

ترکِ مے ممکن ہے ترکِ عشق بھی
شاعری لیکن ہے میری زندگی !

اقلیمِ شراب و عشق و بربط
کے بدلے کبھی نہ میں قبولوں
مُلکِ فرعون و مالِ قارون!

میں خالدِ آخرالزماں ہوں!

نوائے شاعر

سمجھتا ہوں اشاروں کی زباں کو
مجھے معلوم ہے کیف و کم کُن

تبسّم رُخ پہ لیکن حُزن دل میں
ہے درکارِ سخن ضبط و توازن

مجھے بخشا ہے قسّامِ ازل نے
نوا سنجی کا سودا ، شعر کی دُھن

حقیقت کے لچکتے تار دے کر
کہا: جا ان سے خوابوں کی قبا بُن!

کبھی ٹانک آسماں پہ چاند تارے
کبھی مٹی سے دُرِّ شایگاں چُن!

زمیں گویا عروسِ آسماں ہے
ذرا آپس میں ان کی گفتگو سُن

نہیں حد کوئی ادراک و ہنر کی
وَفوقَ کُلِّ ذی عِلم علیمٌ!

ل بِشرہٗ فی وجہہٖ (المؤمن) وحُزنہٗ فی قلبہٖ — — رسولؐ

میں رات بھر فلکِ نیلگوں کو تکتا ہوں
دلِ حزیں میں یہ اُمید و اشتیاق لئے
کہ وہ ستارہ تم آنگن سے دیکھتی ہو جسے
کبھی تو سامنے آئے گا گھومتے پھرتے
کہیں صباح بخیر آسماں کے زینوں سے
اُتر کے جب شفق و شبنمِ سحر گاہی
تو خوابگہ کی بجھاتا ہوں بتیاں لیکن
کہیں جلانے پہ آتی ہے نیند کی دیوی ؟

میں ہر دیار و ولایت کے زائر و سیاح

سے جا کے ملتا ہوں شاید کسی نے احیاناً
تمہاری خوشبوئے عفت مآب سونگھی ہو
کنوارے جسموں میں ہوتا ہے مشک و مقناطیس
جو چاندنی کی طرح دل پہ سحر کرتا ہے
مگر کسی نے بھرا دم نہ آشنائی کا
جو ہوشیار ہو کیوں رازداں کرے پیدا!

میں پوچھتا ہوں سحاب و صبا سے دلبر نے
مرے لئے کوئی پیغام تو نہیں بھیجا؟
کہ اگلے وقتوں کے شاعر مزاج عاشق لوگ
صبا و ابر کو پیغامبر بناتے تھے
برہ کے رس بھرے دوہے انہیں سناتے تھے
گلُ آشنا نہیں بادِ صبا ہے بیگانہ
برہنہ پا پھرے دشتِ جنوں میں دیوانہ!

میں اس خیابان میں سڑکوں پہ گشت کرتا ہوں
تمہارے ہونٹوں سے نکلا ہوا کوئی نغمہ
کبھی گلی کسی کوچے کے موڑ پر شاید
ہوا کے دوش پہ سرمست نازل ہو جائے
مجھے فسردہ و دلگیر دیکھ کر بولے:
سخن سرا ہو مگر زندگی سے ڈرتے ہو؟
خدا پرست ہو قسمت کا شکوہ کرتے ہو؟

بوقتِ شام ٹہلنے کو جب نکلتا ہوں
تو دیکھتا ہوں پری پیکروں، گل اندامون
سمن بروں کو۔ مگر یونہی بے نیازانہ
مطالعے کی غرض سے بچشمِ صاحبِ فن
رہوس کا رنگ ہو اس میں تو ضمناً و سہواً

اُٹھائے نازِ جنوں ، دلِ غریب مجبوراً
کہ کتنے رازوں کا مدفن ہیں کتنی خوشیوں کا
نقاب پوش سلگتی ہوئی سیہ آنکھیں
کنک کنک سے ارُوج ، انگ۔ اگن ، انوُپ ، اپار
سمکھ سرُوپ سلوچن ، جُگر مُگر سکمار
لب و نگاہ میں رمزِ رضائے بوس و کنار
کہ جیسے آتشِ پنہاں سے دہکے شاخِ چنار
دہانِ تشنہ پکار اُٹھے : اَسقِنی خَمَراً !
جنوں کہے کہ حریفانہ کھینچ لے دامن
اگرچہ خلدِ نظر ہے بہارِ سرو و سمن
حصارِ دل ہے ہر اک ترکتاز سے امین
نگاہِ یاس فقط یہ تلاش کرتی ہے
کسی کے خال و خدِ دل نواز میں شاید
تمہارے حُسن کا ہلکا سا عکس شامل ہو

پہ آبِ خضر کہاں ، لمعۂ سراب کہاں !

حقیقت و افسانہ

سرحدِ لفظ سے آگے ہے دیارِ نغمہ
نغمہ احساس ہے آواز نہیں
اہلِ[1] دل کرتے ہیں گونگی باتیں!
شبِ تخلیق میں احساس ڈھلے نغمے میں
اثر الفاظ کے آہنگ میں ہے پوشیدہ
شخص و اسلوب میں ہے روح و بدن کا رشتہ
قامتِ فکر پہ لفظوں کی قبا سجتی ہے
رقص[2] و رقاص میں تمیز کریں تو کیسے؟
ہیر[3] رانجھا بنے جب کس کو پکارے رانجھا؟

شعر کہتا ہے جو لب کہہ نہ سکیں
شعر کہتا ہے: میں جذبے کی طرح مبہم ہوں
شبِ صحرا کی خموشی ہوں سمندر کا خروش
کبھی الحانِ مغنّی، کبھی آوازِ سروش
کبھی اعجازِ پیمبر، کبھی سحر و افسوں
کون سنتا ہے کسی کی؟ لہے دل میں دل کی!! —

ادب و جذبہ کو فرزانے سمجھتے ہیں جنوں
شاعری پلتی ہے آغوشِ قنوطِ و شک میں
شاعری جذبہ و وجدان ہے فکر و ادراک
دلِ خلّاق کو ملتا نہیں مر کے بھی سکوں
راکھ سے آگ ڈھکی ہو تو وہ کیا آگ نہیں؟
شق رہے سینہ گریبانِ سحر کی صورت
شعر خاموش پُر اسرار عُمق سے اُبھرے

کہ ہے سرچشمۂ تخلیق اِک اندھی قوت
سادہ لوحی[4] ہے خصوصیتِ اہلِ جنت
عُجب و پندار سے ہو شیشۂ دل زنگ آلوُد
نام ہے ابلہ و معصُوم نہ ہو گر شاعر
شعر تاریخ و تفلسف سے کہیں ارفع ہے
شاعر و عاشق و مجنوں میں ہے اِک رابطِ خفی
سچّے فن کار ہیں لختِ جگر موسیقی
وہ اگر ہیں تو فقط حسن و صداقت کے غلام
فن[5] و فکرِ بنی آدم ہے مسیح ابن اللہ
شبِ تاریک کے سینے میں ہے سترِ خورشید
اہلِ دل نوش کریں دُردِ تہِ جام۔ حیات
فن کشودِ گرہِ دل ہے گرفتاری ہے
کوہِ برفین میں پتھّر سے نکالے مورت
صرف اظہار میں فن کار کو ملتا ہے سکوُں
منصب و شہرت و دولت ہیں فقط پرچھائیں!

سخن آرا جو ہیں آوارہ بہر کوچہ و کو
فکر و فرہنگ کو رکھیں گروِ جام و سبو
قلتبانی سے ترقّی کے مدارج کریں طے
عبدِ عشتار و عبیدِ عشرت
پوچھو ان سے کہ اے الہام فروشِ یزداں!
خود کو کہتے ہو رسولِ بنی نوعِ انساں
کس لئے نعمتِ نایاب نفس کے ہو عدو
مفت کھوتے ہو خدا داد صلاحیّت کو
مشورہ کس نے دیا چھوڑ کے سب کارِ جہاں
شعر کی بھول بھلیاں میں رہو سر گرداں
اور پھر شکوۂ نا قدریٔ دوراں بھی کرو؟
ایسے بے رُوح پُر آشوب زمانے میں حضور
شعر[۲] گفتن چہ ضرور ؟

ہم سمجھتے ہیں سخن سنج کو ایسا غوّاص
یم افکار سے لے کر موتی
دلِ خونابہ فشاں سے جیوتی
جو پروتا ہے شبِ تار میں سلک گوہر
(دہریہ رات کو کرتا ہے خدا کا اقرار)
گیلی لکڑی کی طرح سوزِ دروں سے سلگے
دکو نج کرلائے پری کنج میں کوئل کوکے
صاحبِ دل کا کوئی مونس و غمخوار نہیں)
جستہ جستہ پرِ مرغانِ سخن کو باندھے
حرف میں معنیٔ آزاد کو محبوس کرے
چشمِ بیمار سے ٹپکائے عقیقِ احمر
سیلی اشکوں کی گلے میں ڈالے
وہ خضر مشرب و مجنوں پیشہ
رہے آوارۂ کوہ و بیشہ
ہاتھ میں آہ کی بیراگی، غموں کا کشکول

سنجڑی رات کرے فریادیں
سپنے بہلائیں، ستائیں یادیں!

عمروِ عیار کی زنبیل ہے دل شاعر کا
علم و احساس و تخیل کا ذخیرہ اندوز
وہی شاعر ہے محبت ہے جسے ہستی سے
(کوئی تکلیف مصیبت نہیں صابر کے لیے)
مونسِ خلوتِ دل، آہِ سحرگاہی ہے
علم — حیرانی و نادانی و سرگردانی
طلبِ علم عبادت سے نہیں بہتر ہے
قاقمِ روز و سمورِ شب سے
خانہ آباد رہے بے سروسامانی
دشت دیبائے مشجر کو کرے شرمندہ
گلِ کچنار کھلا ہے [illegible]

مشعلِ لالہ فروزاں چمن و صحرا میں
پڑھ سکا کوئی نہ فطرت کی کتاب اسرار
شوہنی ڈھونڈے مہینوال کو جنگل جنگل
چھیل مٹیار کو برہا نے بنایا بیکل
تڑاناں کی تراتھاں کی اے کدے لبا جوگی
بن بن برباد کریں عمرِ رواں دُکھ لوگ
زندگی کھیل ہے ہنس ہنس کے سہو روگ بجوگ
علم و احساس ہے ہم کو ابدی ہونے کا!

تنِ تنہا ہی مسافر اسے طے کرتا ہے
راہِ تخیّل ہے بے میل و دراز و دشوار
جادۂ شعر میں آتے ہیں کئی سخت مقام
جب طبیعت ہو ہر اک شے سے نفور و بیزار
اتفاقاً ہی کسی رہروِ خوش قسمت کو

ملیں اثنائے سفر میں سفری لیلائیں
رس متی، رنگ بھری، روپ وتی للنائیں
پریم کے نشّے سے مخمور، ملوک[9] ابلائیں
نازک اندام، چُتُر، چندر مکھی کنیائیں
جنھیں دیکھیں تو غزالانِ ختن شرمائیں
طالبِ دید ہو کوئی تو اسے ترسائیں
روپ کیا روپ ہے پل پل جو ادھک ہوتا ہے!
فاصلہ کچھ نہیں پہلا ہی قدم مشکل ہے!

حسنِ بغداد، یروشلم و کشمیر کہاں
صحنِ گلزار بنا مائدہ آہ و فغاں
نوحہ خوانِ شبِ رفتہ ہے گلوں کی خوشبو
قبل پہلو میں مچلتا ہے دلِ بے قابو
ایک ہی پھول سے گلچیں کی نگاہیں نہ ہوں سیر
مجھے کچھ اور نہ سمجھو میں فقط شاعر ہوں
دل سے بہتر کوئی دمساز کہاں سے لاؤں؟

اپنی زنجیروں کا جو لوگ اڑاتے ہیں مذاق
اور ہنستے ہیں رہ و رسمِ غلامانہ پر
ہیں وہ خوش فہم بدستور اسیرِ زنداں
انہیں آزاد نہ سمجھو ہے یہی ان کا قماش
موہ کے جال میں الجھے ہوئے جینے سے نراش
کسی مانجھی کو نہیں من کے سمندر کی تلاش
شکوہ و شوق فقط۔ عشقِ بتاں ، فکرِ معاش
طاقت و زر کو بہت لوگ خدا کہتے ہیں
خر کو خر مہرہ و گوہر یکساں
مٹی آویزشِ کفر و ایماں
مٹے لیکن نہ سدوم اور عمورہ کے نشاں!

پئیں شراب جو پیتے تھے عصیرِ انگور

بک گئے نانِ شبینہ پہ قلم کے مزدور
جانو شیطان کی کھڈّی ہے شکم کا تنّور
"کیا ہے" دیکھے نہ کوئی، دیکھے "کہ کیا رکھتا ہے!"

ہاتھ میں ہوش کے دستانے پہن کر پکڑو
عشق کے شعلۂ جوّالہ کو اے فن کارو!
طنز و تعریض و ملامت سے نہ زنہار ڈرو
زندگانی بہوائے ہمہ کس نتواں کرد
کون ہے وہ نہیں اغیار کا جو منّت کش
آدمِ ناب ہے مانندِ طلائے بے غش
فقط اک عیب ہے ناکردن و کردن سو عیب
جو کرے سعی اسی سے غلطی سرزد ہو
آدمی جو بھی ہے بالفعل ہے بالقوّہ نہیں
علم و ادراک کسی شخص کی میراث نہیں
شاعری بارِ امانت کے سوا کچھ بھی نہیں
وہی زندہ ہے اصولاً جو ہے قائم بالذات

رُوحِ مرتاض رذائل سے ابا کرتی ہے
دمدمٔی احوال و مصالح کا نہ تابع ہو کبھی
خود کو قربان کرو عظمتِ فن کی خاطر
ضبط و ایثار ہے فیضانِ سخن کی قیمت
اہلِ تخلیق ہیں ہابیل ، زمانہ قابیل
بن تپائے کبھی آتا نہیں سونے پہ نکھار
عشق کا زہر پیالہ پیو سقراط صفت
سامنے دشتِ ابد پھیلا ہے تا حدِ نظر
کون ہے شمعِ صداقت کا جو پروانہ بنے؟
نارِ غم میں جلے گردِ رہِ جاناں نہ بنے؟
دل پہ جو گذرے کہے کافر و دیوانہ بنے؟
زندگی نذرِ حقیقت کرے ، افسانہ نہ بنے؟

۱ ع عشق جنہاندی ہڈّیں رچیا اوہ پھردے چپ چپاتے ہُو
لوں لوں دے وچ لکھ زباناں اوہ کردے گنگی باتے ہُو

سلطان باھُو

2 How can we know the dancer from the dance?

W B Yeats

۳ اُلٹی ہیر— ہیئے وچ رانجھا جاں نہ جانے کوئی
رانجھا رانجھا ہیں کہنوں آکھاں آپے رانجھا ہوئی
رانجھا ہیر تے ہیر رنجیٹی رتی فرق نہ ہوئی
آکھ دمودر تھائے عشق دی دوئی جان بچھائی

دامودر

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی
سدّو نی میئوں دھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی
رنجھا میں وچ ، میں رانجھے وچ ، ہور خیال نہ کوئی
میں نہیں اوہ آپے ہے اپنی آپ کرے دلجوئی

بلھے شاہ

ماہی ماہی کوکدی میں آپے رانجھن ہوئی
رانجھن رانجھن میئوں سبھ کوئی آکھو ہیر نہ آکھو کوئی

مادھو لال حسین

ینادی المنادی باسمها فاجیبهٔ
فادعیٰ فلیلی عن نداکٔ تجیب
ولسنا علی التحقیق ذاتی بواحدِ
ولکنهٔ نفس المحب حبیب

You doe bewitch Me oh that I could flie,
From my Selfe you or from your own Selfe I.

Michael Drayton

۴ اَکثرُ اهلِ الجنّۃِ البُلْہُ

فَاِنّ خَیرَ اَولادِنا الاَبْلَہُ الغَفُوْلُ

علیکم بالبُلهاء

رَسُول صلی اللہ علیہ وسلم

بلھا ـــــــ پردہ کرنے والی پاکدامن

ابلہ ـــــــ سلیم القلب ، بے شر

5 Si che vostre' arte a Dio quasi e' nipote

Dante

In art we may be said to be grandsons unto God

Leonardo da Vinci

6 ,Weiss ich nicht und wozu Dichter in Dürftiger Zeit?
Holderlin

۷ درد وچھوڑے دا حال نی میں کینوں آکھاں

سولاں مار دوانی کیتی برہوں پیا ساڈے خیال

نیں میں کینوں آکھاں

جنگل جنگل پھراں ڈھونڈھیندڑی اجے نہ ملیا مہینوال

نیں میں کینوں آکھاں

مادھو لال حسین

۸ جوگ کدے لتا تیرا ناں کی اسے تیرا تھاں کی اے

احمد کوی

۹ نازک پیر ملوک سستی دے جہندی نال تنندگارے
ہاشم شاہ

اُچیاں لمیّاں ٹاہلیاں وچ گجری دی پینگھ ماہیا ہانیاں وے
پینگھ جھٹینڈے دو جنے عاشق تے معشوق ماہیا ہانیاں وے
پینگھ سی پتلی معشوق سی بھارا ماجھے دی جٹی ملوک ماہیا ہانیاں وے
پینگھ جھٹینڈے ڈھے پئے ہوگئے چکنا چور۔ ماہیا ہانیاں وے

۱۰ خاطر یک دو کس ار از تو شود شاد بس است
زندگانی بہوائے ہمہ کس نتواں کرد

شکستِ نغمہ

○

اے[1] وادیٔ اغمات! یہ نیلوفری تختہ
ہے مرقدِ افسردہ، کس آشفتہ جگر کا؟

سیراب[2] کرے تجھ کو سحابِ سحر و شام
اس خاک میں خوابیدہ ہے اِک مردِ گزیدہ

وہ فارسِ میداں، گُلِ ایوان و شبستاں
جو بادشہِ سلطنتِ سیف و قلم تھا

گھولے مئے سرجوش میں جو لعل و زمرّد
وہ شیفتۂ شعر و رباب و رُخِ رعنا

دوشیزۂ دہقاں تھی زیکیہ کہ جس کو
اِک[۲] مصرعِ برجستہ نے سلطانہ بنایا

زنجیر کی جھنکار ہے آواز جرس ہے
زنداں کے در و بام سے اُٹھتا ہے دھُواں سا

مے اس کی ہے آمیختۂ زہرِ ہلاہل
دلکش ہے مگر فانی و غدار ہے دُنیا

ہے ذوقِ خودی حسن کی شلناقی و شوخی
کیوں پردے میں روپوش رہے طلعتِ عزا؟

جُز خوابِ خوش آیند نہیں عہدِ عوانی
مجزون و مولہ ہے عبث عاشق ابلہ

کرتے ہیں جدا تن سے سرِ سرمد و حلاج
کہتے ہیں اسے رسمِ مواسات و مواخا

اِک شورِ قیامت ہے بپا کوئے جنوں میں
سنتا ہے یہاں کون دلِ زار کا نالہ ؟

کیوں معتمدِ خستہ سے اس کو نہ ہو اُلفت
ہم پیشہ تھا وہ خالدِ آشفتہ نوا کا!

---

۱ معتمد علی اللہ بن معتضد (عباد) (بنی عباد کا (ملوک الطوائف) آخری شاعر فرمانروا ۱۰۴۰ء - ۱۰۹۵ء) جو یوسف بن تاشفین (چشم و چراغ مرابطین - ملوک بادیہ) سے شکست کھا کر مراکش کے مقام اغمات میں چار سال قید و بند کی صعوبتیں جھیل کر وہیں پیوندِ خاک ہوا۔

۲ قبر الغریب سقاک الرائح الغادی
معتمد (بہ مرثیہ خود)

۳ جب یہ دونوں دوست (معتمد اور ابن عمار) شلب میں نہ ہوتے۔ تو اپنا وقت اشبیلیہ میں گذارتے۔ اشبیلیہ دار السلطنت تھا۔ ہر قسم کا سامان عیش وہاں میسر تھا۔ یہاں آرام و آسائش سے زندگی بسر کرتے۔ اکثر بھیس بدل کر مرج الفضہ

دریا کے کنارے والے) میں جاتے جہاں عورتیں اور مرد تفریح کے لئے جمع ہو کرتے تھے۔ یہی مقام تھا جہاں معتمد اس حسین عورت سے پہلی بار ملے۔ میں نے لکھا ہے۔ میں معتمد کا عمر بھر ساتھ دیا تھا۔ ابن عمار کے ساتھ ایک دن اسی نزہت گاہ میں سیر کر رہے تھے۔ کہ ہوا چلنے سے دریا کی سطح پر ہلکی ہلکی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ معتمد نے ذرا اس مضمون کا مصرع موزوں کیا۔

نسیم کے جھونکوں سے پانی کی موجیں زرہ بن گئی ہیں

ابن عمار دوسرا مصرع سوچتے ہی رہے کہ اتنے میں ایک نوجوان حسین عورت نے جو قریب کھڑی تھی۔ بے تکلف دوسرا مصرع کہا۔

لڑنے والے کے لئے کیا خوب زرہ ہوتی ، اگر پانی کی موجیں برف ہوتیں

معتمد کو حیرت ہوئی کہ کس بلا کی تیز عورت ہے۔ جس نے مصرع لگانے میں ابن عمار کی تقدیم کی۔ اور ابن عمار بھی وہ جس کی شاعری کی ہر طرف دھوم مچی ہوئی ہے۔ اس حیرت کے عالم میں معتمد اس عورت کو غور سے دیکھنے لگے۔ اس کی اچھی صورت کا دل پر اثر ہوا۔ ایک خواجہ سرا سے جو کچھ فاصلے سے پیچھے آ رہا تھا۔ کہا کہ "اس شاعرہ کو قصر میں لے جا کر بٹھاؤ" اتنا کہہ کر خود بھی قصر میں آئے۔ جس وقت وہ حسین عورت سامنے آئی تو معتمد نے اس کا حسب نسب دریافت کیا۔ عورت نے جواب دیا۔ کہ میرا نام اعتماد ہے۔ لیکن بالعموم رُمیکیہ کے نام سے مشہور ہوں۔ کیونکہ میں رُمیک کی لونڈی ہوں، اور خچر ہانکنا میرا کام

ہے۔ اتنا سن کر شہزادے نے پوچھا: "کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟"

رمیکیہ نے جواب دیا "نہیں"!

معتمد نے کہا "یہ خوب ہوا۔ میں تمہیں تمہارے آقا سے خرید کر تم سے شادی کروں گا"!

معتمد جب تک زندہ رہے۔ رمیکیہ کے ساتھ ان کے عشق میں کبھی کمی نہیں ہوئی۔ کوئی دل لبھانے والی چیز معتمد کی نظر میں ایسی نہ تھی جو رمیکیہ میں موجود نہ ہو۔ رمیکیہ کو جو نیا شوق اچھلتا وہ شوہر کے لئے مسرت اور مایوسی دونوں کا باعث ہوتا۔ کوئی فرمائش ایسی نہ تھی جو پوری نہ کی جاتی ہو۔ چاہے اس میں کتنی ہی دولت و زحمت صرف ہو۔ رمیکیہ جس بات کا ارادہ کر لیتی پھر دنیا ادھر سے اُدھر ہو جاتی مگر اپنی بات سے نہ ٹلتی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے قصر قرطبہ کی ایک کھڑکی سے رمیکیہ باہر کی سیر دیکھ رہی تھی یکایک برف روئی کے گالوں کی شکل میں گرنی شروع ہوئی جس ملک میں جاڑا شدت کا نہ ہوتا ہو وہاں کبھی اتفاق سے برف کا گرنا ایک عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے۔ برف کے سفید سفید گالے دیکھ کر رمیکیہ رونے لگی۔ معتمد نے پوچھا "کیوں! کیوں! روتی کیوں ہو؟ ذرا دیکھو یہ برف گرتی ہوئی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے کس طرح اس کے گالے درختوں کی شاخوں کو لپٹ گئے ہیں"۔ "لیکن تم بڑے نا احسان مند ہو۔ تمہیں اتنا بھی خیال نہ آیا کہ ہر جاڑے مجھے بھی

بہار دکھا دیا کرتے۔ اگر یہاں ممکن نہ تھا تو پھر ایسے ملک ہی کی سیر کرا دی جاتی جہاں برف ہمیشہ گرا کرتی ہے۔" یہ کہتے کہتے رمیکیہ کے آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔ معتمد نے آنسو پونچھ کر کہا "پیاری دلبر! کیوں پریشان ہوتی ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب سے ہر جاڑے برف گرنے کی بہار دیکھ لیا کرو گی!"

معتمد نے فوراً حکم دیا کہ "جبل قرطبہ پر بادام کے درخت لگائے جائیں تاکہ جاڑے بھر کہر گرنے کے بعد جب مطلع صاف ہو تو ان درختوں کے خوبصورت سفید پھول ہوا سے جھوم جھوم کر برف گرنے کا لطف پیدا کریں جس کی رمیکیہ اس قدر مشتاق ہے۔"

ایک اور موقعہ پر رمیکیہ نے دیکھا کہ کچھ غریب عورتیں اینٹیں بنانے کے لئے پاؤں سے مٹی گوندھ رہی ہیں۔ رمیکیہ یہ دیکھ کر پھر رو کر شوہر سے کہنے لگی "ہائے! جس دن سے ایک غریب گھر سے نکال کر جہاں میں خوش اور آزاد رہتی تھی۔ تم نے آداب شاہی کی زنجیروں میں جکڑ کر مجھے اس تاریک محل میں بند کیا ہے وہ دن اور آج کا دن جسے آرام کہتے ہیں۔ وہ مجھے کبھی نصیب نہیں ہوا۔ ذرا دریا کے کنارے ان غریب عورتوں کو دیکھو! کیا اچھا ہوتا کہ میں بھی انہی کی طرح پاؤں سے مٹی گوندھتی ہوتی، مگر افسوس تم نے ملکہ بنا کر مجھے قید میں ڈال دیا۔ ان عورتوں کی طرح مٹی

گوندھنے کا لطف مجھے کب نصیب ہو سکتا ہے؟" معتمد نے مسکرا کر کہا" کیوں نصیب کیوں نہیں ہو سکتا؟"

اس کے بعد معتمد محل کے صحن میں آئے۔ اور خدام شاہی کو حکم ہوا کہ کافور و شکر اور مشک و عنبر کے ڈھیر صحن میں لگائے جائیں۔ جب یہ چیزیں حاضر کر دی گئیں تو دوسرا حکم یہ ہوا کہ ان سب اشیاء کو آمیختہ کر کے عرق گلاب سے نرم کیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ نرم گیلی مٹی کی طرح ہو جائیں۔

جب یہ سب کچھ ہو لیا" تو معتمد نے رمیکیہ کو آواز دی" اب ذرا یہاں قدم رنجہ فرمایئے۔ خواصیں اور سہیلیاں بھی ساتھ ہوں۔ پائے نازک سے پامال کرنے کے لئے مٹی تیار ہے۔" اتنا سنتے ہی سلطانہ رمیکیہ مع خواصوں کے بالا خانہ سے نیچے اتریں اور ننگے پاؤں ہو کر اس مشک و عنبر کی کیچڑ کو خوب خوش ہو ہو کر روندنا شروع کیا۔

اس کھیل میں بڑی دولت صرف ہوئی تھی۔ چنانچہ معتمد نے ایک موقع پر اپنی نازک مزاج سلطانہ کو یہ شغل یاد بھی دلایا۔ وہ موقع یہ تھا کہ ایک دن پھر رمیکیہ نے اس قسم کی دولت ضائع کرنے والی فرمائش معتمد سے کی۔ اور کہا" کیوں مجھے تم سے شکایت کیوں نہ ہو؟ میرے برابر مصیبت زدہ کون عورت ہو گی؟ خدا جانتا ہے کہ ایک

بات بھی تو میرے خوش کرنے کو کبھی تم نے نہ کی۔" اناسن کرشند نے
ایک سرد آہ بھر کر کہا: "کیا جس دن پاؤں سے مٹی گوندھ رہی تھیں اس
دن بھی جی خوش نہیں ہوا تھا ؟"

عبرت نامۂ اندلس (از ڈوزی)

مترجمہ۔ مولوی عنایت اللہ دہلوی

○

اُڑتے جو آسماں پہ دیکھا قطا کا جھنڈ
بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے
دل خوں ہوا تفاوتِ پست و بلند سے
ہو کتنے خوش نصیب اے آزاد پنچھیو!
بے غم فریبِ طالعِ نا ارجمند سے
آزادِ قید و بند سے، سوزِ پسند سے
اے سیرمست طائرو! زنداں کی شام کے
رنج و فشار و کرب سے تم آشنا نہیں
کافور پاش چاندنی کے زہر خند سے
محشر تمہارے سینوں میں برپا ہوا نہیں
تم ہو بلند بال تمہیں اس کی کیا خبر
ظالم ہے کس قدر شبِ مہجورِ بے سحر!
دروازے بند ہونے کی آواز سننے پر
اُٹھتی ہے کیسی ہوک دلِ دردمند سے!

۱۹۴۲ء

○

ساغر میں عکس ریز ہے مشعل کی روشنی
اطرافِ ریگ زار میں چھٹکی ہے چاندنی
جب تک بجائیں چنگ، کریں رقص، گائیں گیت
خوبانِ ہوشمند و حسینانِ دلستاں
زلفِ سیہ سے دامنِ شب ہے دھواں دھواں
یارانِ بزمِ مے! پیو بھر بھر کے جامِ مے
انگور کا عرق بھی ہے کیا دل نواز شے!
گلگوں ہے یہ بھی عارضِ معشوق کی طرح
یہ ہو تو رنج و راحت سود و زیاں کہاں!

○

آنکھوں سے تو اوجھل ہو مگر دل میں بسی ہو!

○

مکناسہ جاتے طنجہ سے اثنائے راہ میں
دیکھے جو لوگ بلبنہ کی دُعا مانگتے ہوئے
میں نے کہا: تمہاری دُعا مستجاب ہے
جاری ہیں اشک دیدۂ خونناب بار سے
یہ جوشِ گریہ ریزشِ ابرِ بہار ہے
بولے وہ لوگ: آپ جو فرماتے ہیں بجا
لیکن ملا ہُوا ہے لہو برشگال میں
اُمیدوار رحمتِ پروردگار سے
ہم زینہار خون کی برسات کے نہ تھے!

مغیث و بریرہ

مغیّث ، عشقِ بریرہ میں مبتلا ہو کر
پھرے مدینے کی گلیوں میں اشعث و اغبر
بریرہ ناز و ملاحت میں رشکِ حورِ عین
چراغِ خانۂ رعنائی و پری پیکر
مدینہ رو کشِ باغ و بہارِ علیّین
جہاں کی ریت کا ذرّہ عبیرِ غالیہ پر
وطائے طارمِ اعلےٰ جہاں کی خاکستر
مگر یہ کہنے میں کیا باک ہے کہ عاشق کو
دیار سے نہیں دیّار سے محبّت ہے
مفر کسی کو نہیں سرنوشتِ مبرم سے

خدائی آگ دلوں میں طلوع ہوتی ہے
تو پھر اس آگ کو کوئی بجھا نہیں سکتا
ہے مرد کے لئے عورت مضر تریں فتنہ
عزیز کیدِ زناں سے ذلیل ہوتے ہیں
بتوں کا شیوہ ہے تدلیس و مکر و استدراج
نگارِ عربدہ جو بے وسیلۂ افواج
دلوں کی منزلِ آباد کو کریں تاراج
درِ مقفّل و محکم کو کھولیں سم سم سے
کہ نازنینوں پہ روشن ہے رازِ لوحِ طلسم
حنائی انگلیوں میں خاتمِ سلیمانی
کہ جس سے کرتے ہیں جن و بشر پہ سلطانی!

چلیں نہ سہل فسوں زور و زاری و زر کے
دیارِ حسن سے گزرو تو صاحبو ڈر کے
ہے ایک دامِ گرہ گیر حسنِ نسوانی

وہ دل جو عشق و محبت کے زخم خوردہ ہیں
ہوائے نفس کو پروردگار کہتے ہیں
خدا شناس نہ ہو صیدِ نفسِ شہوانی
نہیں ہے شانِ مجاہد مجون و خمرِ و غزل
یہ شہرِ خوابوں کے یہ خواہشوں کے تاج محل
فسونِ ترک و طلب میں بپا ہے جنگِ جمل
میں مانگتا ہوں پناہِ خدائے عزّوجلّ
یہ اعترافِ حقیقت ہے اعتذار نہیں
کہاں وہ قلب و نظر جو گناہگار نہیں
زمیں کا بوجھ ہے جس میں نشاطِ کار نہیں
وہ کیا جیا جو کسی پر فریفتہ نہ ہوا
ہے ایک سیلِ بلاخیز عشقِ شور انگیز
محبت ایک سفینہ ہے خوف و غم سے لدا
پیئے فروغِ مساواتِ نوعِ انسانی
مٹائے تفرقۂ گبری و مسلمانی!

حیاتِ دنیوی جز زینت و ریاش نہیں
ہوس کو عشرتِ جاوید کی تلاش نہیں
مصیبتیں سہو لیکن زباں سے اُف نہ کرو
کہ مہ وشانِ سیہ چشم ہیں تلوّن دوست
شباب سرکش و مغرور و مست ہوتا ہے
ہے عُرف شہرِ نگاراں کا شہرِ ناپرساں
مسافروں پہ خور و خواب ہے حرام جہاں
نوائے شوق سے گونجا وہ شہرِ بنوجہم
کہ عشق باس ہے صندل کی آگ جنگل کی
ہوا فسانۂ رنگیں زبان زدِ عالم
جنوں کی ریشہ دوانی رہے نہ پوشیدہ
پسند ہے بدوی کو فقط حدی خوانی
شہیدِ لذتِ آوازِ : ترنّع و تلعب
ہو واقعے پہ نہ حیراں کہ سر فروش جواں
ہرا کے مردوں کو کھاتے ہیں عورتوں سے شکست!

"ہلاکِ نشّہ و خانہ خراب و مضطر ہوں
نوشاہِ حسن میں اک بے نوا گداگر ہوں
نگاہِ ناز کی دے بھیک حسبۃً للہ!
ترا جمالِ خدا داد ہو بیاں کیونکر
زباں کی آنکھ نہیں، آنکھ کی زباں نہیں
بدن لباس میں جیسے شراب شیشے میں
سوال مجھ سے نہ کر: ما نزید معنیٰ کا
عجب مقام ہے جس میں کلام ہے نہ سکوت
یہ کیسا درد ہے جو بے قرار رکھتا ہے
لبوں کی پیاس لبِ لعل ہی سے بجھتی ہے
قریب ہو کے بھی کچھ لوگ دور رہتے ہیں

لے سیام گر رکمی کہوں کہانی، گرا انہن نین بنو بانی

تلسی داس

نین کے نہیں بین، بین کے نین نہیں ہیں

نند داس

پلائے وہ تو پیالہ میں زہر کا پی لوں
سلام اس پہ جو مجھ سے گریز کرتی ہے"

مگر وہ غیرتِ مہ، رشکِ لالۂ نعماں
ملیکِ مقتدرِ خوبی و سشہرِ خوباں
مجسمے کی طرح سرد و بے حس و حرکت
بجائے ہونٹوں کے آنکھیں کلام کرتی ہیں
"نہیں تحملِ افسانہ ہائے باد انگیز
پہاڑ اپنی جگہ سے ہلے نہ آندھی میں
میں وہ ندی ہوں کہ جس میں جہاز چل نہ سکے
کبھی گلاب کے پھولوں سے بھی شراب کھنچی؟
حیا پرست ہے آنکھ آشنا پرست نہیں
مقدس آگ جلاتی ہے لوثِ عصیاں کو
بدن ہے نطفۂ امشاج و جیفۂ مطروح!
بقا ہے رُوح کو جو ہے لطیفۂ غیبی

کبھی نہ آؤں خوشی سے تمہارے قبضے میں
ہوس نہ پہنچے کبھی غیرتِ محبت کو
تعلقِ گُل و خوشبو ہے حُسن و عصمت میں
کرے نہ عاشقِ خود دار حُسن کو رسوا
خدا کا خوف کرو تو نہ نام نا محرم!"

شدہ شدہ یہ حکایت رسولؐ تک پہنچی
وہ امّیِ ادب آموز جس نے ندرت تک
کتابِ ارض و سما علمِ من لدن سے پڑھی
عمل سے جس کے نمایاں ہے عظمتِ آدم
وہ مردِ نا متناہی وہ آبروئے ناہی
عطائے مبدعِ وہاب سے ملا جس کو
سکونِ قلبِ سماعیل و کربِ ابراہیم
مزاجِ معنیِٔ سرجوش کو سمجھتا ہے
جو نا نوشتہ کو بین السطور سے پڑھ لے

(فقط صناعتِ لفظی نہیں ہے فنِ سخن)
ہُوا جو گوش گزار اس کے ماجرا مِن و عَن
تو رفعِ شر کے لئے رحمتِ مجسّم نے
بریّرہ سے بہ خلوصِ تمام فرمایا
"سنا ہے قصّہ جذبِ مغیثؓ آشفتہ
تم اس کی کیوں نہ شریکِ حیات بن جاؤ!"
کہا: "اتأمُرُنی؟" اس نے، "یا رسولَ اللہ!
ہے بسکہ آپ کا فرمان واجب الاذعان
ہوں اس کنیز کے ماں باپ آپ پر قربان!"
حضورؐ نے متبسّم لبوں سے فرمایا
"یہ مشورہ ہے فقط اے بریّرہ! حکم نہیں!"
"تو با ادب یہ گزارش ہے اے حبیبِ خدا!
کہ خانہ زاد کو یہ مشورہ قبول نہیں"

خدا نے بخشی ہے فکر و عمل کی آزادی
پکارتا ہے دل: اسلام دینِ فطرت ہے!

مزید

مختصر نظمیں

○

اکیلی سیج پہ برہن کو کیسے نیند آئے؟
کہاں ہے چاہنے والا، جو اس کے مہکیلے
رنگیلے، رُوپ رسیلے بدن کو سہلائے؟

○

جھانکے کھڑکی سے چودھویں کا چاند
چبھیں نس نس میں تیر کرنوں کے
لے گئی کھینچ کر پریتم کو
ایک بیگانی سیج کی خوشبو
ایک انجانے جسم کی چاہت!

○

زمیں مینہ کو پیتی ہے غٹ غٹ
زمیں کی نمی کو درخت
سمندر ہوا کو ، سمندر کو سورج
اسے چاند
آخر
پیئے کیوں نہ شاعر لعابِ لبِ مشکبو!

○

لے کے آئی ہے آرزوئے وصال
درِ دولت پہ اِک ملاقاتی
گردنِ نیل گاؤ ، چشمِ غزال
کیا اجازت ہے اس کو آنے کی
امْ لکم شاغلٌ من الاشغال ؟

حفصہ

بے نام و نشاں جہاں میں جو شے
مُرجھائے گُلِ دلِ بشر ہے!

○

میں نے آدھی رات تک تیرے لئے
اپنا دروازہ کھلا چھوڑا ! صنم!
گھر اکیلا ہے دیا بجھنے کو ہے
جھانکتا ہے ادھ کھلی کھڑکی سے چاند
چاندنی کے نرم شیتل سانس میں
اک نشہ پنہاں ہے نا معلوم سا
سنسناتا ہے رگ و پے میں مرے
اضطرابِ موجِ بحر و موجِ باد
اے دلِ آوارہ گرد و نامراد!
اب کٹے گی کس طرح
یہ جدائی کی اندھیری سرد رات؟

○

کنارِ سین کا سودا تھا مجھ کو
بزیرِ سایۂ صفصافِ گریاں
مگر اہلِ وطن کا ذوق دیکھو
ملی بے کتبہ اِک گورِ غریباں!

نپولین

○

داعی و مسئول کا سمجھا نہ نکتہ
چہرے سے آثارِ خجالت ہویدا
ہو نہ کوئی بھی متکفّل کسی کا
اے دلِ حیلہ طلب اب کیا بنے گا؟
لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْریٰ !

○

تعمیر ہو رہا تھا محلِ[1] معاویہ
گذرے جو اس طرف سے ابوذرؓ[2] تو رُک گئے
کہنے لگے : کہ ہے اگر اس قصر کی بنا
اللہ کے مال سے تو خیانت ہے برملا
ہے اپنے مال سے تو ہے اسرافِ ناروا!

---

[1] الخضراء

[2] ما اظلت الخضراء وما اقلت الغبراء اصدق لہجۃ

من ابی ذر — رسولؐ

○

قلیبِ بدر پہ کرتے ہیں مشرکوں سے سوال
نگاہِ اہلِ نظر میں جو وحیِ ناطق ہیں
"وہ جس کا تم سے تھا وعدہ وہ پا لیا تم نے؟"
عمرؓ: "حضورؐ تو لاشوں سے باتیں کرتے ہیں"
کہا حضورؐ نے "تم سے وہ کم نہیں سنتے!"

○

ایسا آتش فشاں پہاڑ ہے دل
جس کے اُوپر تو برف کے تودے
اور نیچے ہے کھولتا لاوا!

میں بھی بُلبل کی طرح طالبِ آزادی ہُوں
مجھے رو لینے دے رونے سے سکوں ملتا ہے
کھول کر دیکھ مرے دل کو لکھا ہے خالد
جسم تو غیر کے قبضے میں ہے دل تیرا ہے!

○

بدن سے رُوح نکلتی ہے اس طرح جیسے
پرندہ شاخِ شجر سے اچانک اُڑ جائے

جو ذاتی اسم کمائیں ہو نیند ان پہ حرام
کلیجہ اُن کا جلے سوزشِ درونی سے

حیات و موت ہے سب کی خدا کے ہاتھوں میں
قلم بکف رہو پیہم فروغِ حق کے لئے

سکونِ قلب کی دولت سے ہو جو مالا مال
زباں پہ حرفِ شکایت مجال کیا لائے

کبھی سراب سے دریا کی پیاس بجھتی ہے
قرارِ دل کو نہ آئے گا خالی وعدوں سے

عجب مقامِ تحیّر ہے جائے استعجاب
شبِ وصال کو ہم گفتگو میں کھو آئے

طلسمِ سحر سے باندھا ہے قصرِ ناز کے گرد
ہیں برگِ لالہ بعینہ طلائے احمر کے

وہی ہے حسن کھنچے جس کی سمت مقناطیس
جو آنکھ پڑتے ہی فوراً نظر میں کھب جائے

تمہارے جسم سے بوئے محبّت آتی ہے
برہنہ شانوں کو چوموں لرزتے ہونٹوں سے

مری گرفت سے خود کو چھڑا کے کہنے لگی:
تمہارے شر سے بچائے خدائے پاک مجھے!

جھمک سے کوٹھے پہ چڑھتی ہے نار البیلی
سجن بدیس ہے کس کے لئے سنگار کرے؟

کنوارے انگ میں بھڑکے پیا ملن کی پیاس
سنی ہے سائکی کیوپڈ کی داستاں جب سے

نگاہِ ناز پلٹتی ہے رازداں کی طرح
اٹھاؤ یار سے مل کر مزے جوانی کے

ابھی شراب پیو صبح سجدہ کر لینا
ہے وصلِ یار قضا پائے اتّفاقی سے

لپک ہے کوندے کی آنکھوں میں دامنی کی دمک
بدن کا حال عیاں ہے مہین کپڑوں سے

سنو کہ عشق تو ہے ترکِ اختیار کا نام
یہ زندگی مجھے بخشی ہے تحفتہً اس نے

وہ نوشِ لب ہمہ مقصود سر بسر مطلب
جو التفات کرے اس سے اجتناب کرے

عطائے جرعۂ ساقی غبوق ہے کہ صبوح؟
یہ پوچھتا ہوں میں لعلِ لبِ میکدہ سے

کریں گے پھر کبھی راز و نیاز کی باتیں
کیا تھا فون فقط دفعِ بوریت کے لئے!

○

کوئی اُمّید ہونے دی پیدا
نہ کسی بات کا کیا وعدہ

چھین کر عقل کی عمل داری
کشورِ دل پہ کر لیا قبضہ

نارِ پستان و نارون قامت
سرو قد، ورد خد، شفق چہرہ

سحرِ بنگالہ۔ گندمی عارض
مارِ ضحاک۔ جعدِ مشکینہ

آنکھ میں آگ، سانس بے قابو
عنفوانِ شباب کا نقشہ

سہی قامت، گداز، لچکیلی
رنگ جیسے انار کا دانہ

خونِ عاشق سے غسل کرتی ہے
وہ دلیلہ ہو یا قلوپطرہ

ساکنِ خاکِ پاکِ عشق ہوں میں
دور افتادہ و غم آمادہ

ایک ہی آگ میں جلیں دونوں
تو بھی میری طرح ہے دیوانہ

رونقِ بزمِ غیر ہے شاید!
غیر حاضر سا اجنبی بوسہ

درد و اندوہ کی برات ملی
شبِ سرخاب و صبحِ پروانہ

دل کا دربان و پاسباں ہے دماغ
دل میں ہے خوفِ خویش و بیگانہ

دُوسروں کی زبان مت بولو
خود کا پیدا کرو لب و لہجہ

شعرِ خالدؔ کو لوگ کہتے ہیں
ہے تو ہیرا پہ نا تراشیدہ!

سرودِ و خروش

جسے شعور نہ ہو لذّتِ معانی کا
ہمیشہ بندشِ الفاظ میں رہے اُلجھا

ہم اپنے ذہن کو اِک سلطنت سمجھتے ہیں
دل و دماغ ہیں سرچشمہ شعر و حکمت کا

اس اہتزاز کا نعم البدل نہیں کوئی
تمام نشوں سے بڑھ کے ہے شعر کا نشہ

صریرِ خامہ ہے گویا نوائے آرفیس
قلم کی نوک سے ہوتا ہے زمزمہ پیدا

غلامِ فن ہیں پرستارِ اقتدار نہیں
رفیقِ راہِ تمنّا خلوص و استغنا

حسب نسب ہے ہمارا ادب، ادب منصب
ادب نے ہم کو زمانے سے بے نیاز کیا

خزانۂ سخنِ لازوال کے آگے
متاعِ پوچ سراپا زخارفِ دُنیا

ملوکِ بادیہ کہتا ہے شاعروں کو عمرؓ
عمرؓ جو محرمِ شعر و مبصرِ فن تھا

ادب برائے ادب یا ادب برائے حیات
جو ہو ادیب وہ اس بحث میں نہیں پڑتا

ادب ہمیشہ کرے ترجمانیٔ جمہور
ادب ہے آئینۂ حال و ماضی و فردا

ادب ہے نوعِ بشر کا ترانۂ وحدت
ادب میں فرد جماعت کا ہے نمائندہ

نہیں ہے ذات نواگر معاشرے سے الگ
یہ "میں" جو ہے متکلّم ہے "ہم" کا ہم معنے

جو تحفے لیتے ہیں خود کو فروخت کرتے ہیں
کبھی کسی سے پیمبر نے بھی صلہ مانگا؟

ہے ہم کو خرقۂ پشمیں ہی اطلس واکسوں
ہمیں خبر ہے کہ: اَلکاسبُ حبیبُ اللہ

نہ برگِ راہ میسّر نہ توشۂ منزل
مہمِ حرف کو ہم سر کریں تنِ تنہا

ہمارے خون ہی سے رنگ وام لیتے ہیں
شفق، شہاب، دھنک، گلبدن، چمن، صہبا

تمام راحت و رحمت ہے کرب و کلفتِ عشق
نشاط و فرحت و قوت ہے رنج و فکر

جو فن فروش ہیں کہتے ہیں ان کو ناسا
ہوس پرست ہیں نام و نمود کے، جو

مشوش و متفکر، مولہ و محزون
خدا کے پیاروں کو ہم نے علیل ہی دیکھا

شبِ تفکر و تخلیق لیلۃُ الجنّ ہے
کہ دُور سے نظر آتا ہے عکس دھندلا سا

صدف میں ریگِ پریشاں گہر بنے جیسے
یونہی بنے دلِ شاعر میں شعور، نظم و نوا

ملے نہ یونہی مصنف کو عظمت و شہرت
کہ عود آگ میں جل کر ہی جاں نواز ہوا

حصولِ علم سے غافل نہ ہو گھڑی بھر کو
محیط آب رواں ہی کا نام ہے دنیا

[illegible] دست اسیر [illegible]
[illegible] با[illegible] وفادار و [illegible]

وہ شعر کیسے ہے جو باذوق خوب نہیں
یہ شاعری ہے کہ علم الکلام کا شعبہ ؟

حکیم کم ہیں مگر واعظ و خطیب بہت
خیالِ حسن نہ حسنِ خیال کی پروا !

وہ کور ذوق ہیں جو شعر کے مخالف ہیں
کلام ہی تو ہے یہ ، اس میں ہے خرابی کیا؟

نہیں ہے کھیل زبان و محاورہ کا سخن
اثر ہو شعر میں سوز و گداز سے پیدا

نہیں ہے ہر کوئی کنہہ و رموز سے واقف
کسی کسی کو ودیعت ہوا دلِ بینا

نہیں تبحرِ علمی دلیلِ دانائی
کتابیں چاٹنے والوں کو بے ادب پایا

اگرچہ مغز بیاں ہے مفسرِ قرآں
لمِ آشنائے الف لام میم ہو نہ سکا

فنِ انقلاب و بغاوت، حقیقت و رُؤیاں
فن امتزاجِ دلآویز ہیئت و معنے

مزاجِ شعر* ازل سے ہے دیو مالائی
سمندِ فکر کو افسانہ تازیانہ ہوا

حریمِ فن میں بقائے دوام کی پریاں
ملا زمانہ رہیں دست بستہ استادہ

* آستر

بہن کے کوسنے ماں جائے کو نہیں لگتے
جو خود شناس ہو تنقید سے نہیں ڈرتا

دیارِ بے ہنری میں ہنر ہے ننگ و عار
چلن نہ ہو سکے ارضِ نفاق میں سچ کا

اس آفتاب کے نیچے نئی نہیں کوئی شے
سب اپنے طور سے لکھتیں حقائق اشیا

یہ بات حسن شناسانِ شعر سے پوچھو
کہ راز کیا ہے فروغِ کلامِ خالدؔ کا!

جادُوئے بنگال

○

ہنگامِ غروب سورج نے پوچھا:
رکھے گا مرے کام کو جاری اب کون؟
طاری تھا سکوتِ مرگ آسا سب پر
یہ رنگ جو دیکھا تو چمک کر بولا
اک گوشۂ کمتاب سے مٹی کا دیا
یہ بندۂ ناچیز ، حضورِ والا !

○

اے بے قرار بحر! ہے کیسا یہ اضطراب
کھاتی ہے پیچ و تاب تری لہر لہر کیوں؟
یہ اک سوال ہے ابدی: بولی موجِ آب!
اے کوہِ سرفراز! تری خامشی کا راز؟
اک جاوداں سکوت ہے: چُپ نے دیا جواب!

میں نے تقدیر سے سوال کیا ۔
مجھے پیچھے سے کونسی طاقت
ریلتی پیلتی دھکیلتی ہے ؟
بولی تقدیر پیچھے مڑ کر دیکھو !
میں اچانک مڑا تو کیا دیکھا
میں ہی اپنے کو دھکے دیتا ہوں !

○

رات کو آنسو بہاؤ گے اگر
گمشدہ دن کی تجلّی کے لئے
دن تو دوبارہ نکلنے سے رہا
اپنے کو محروم کر لو گے مگر
چاند تاروں کی سہانی دید سے!

ساری دُنیا کو روپہلی روشنی دیتا ہے چاند
لیکن اپنے تک ہی رکھتا ہے وہ اپنے داغ کو!

○

رات نے جاتے ہوئے دن کے سنہری گال کا بوسہ لیا
اور آہستہ سے سرگوشی کے لہجے میں کہا :
اے مرے لختِ جگر !
میں تری ماں ہوں ، اجل ، مجھ سے نہ ڈر!
چند ساعت کے لئے
اپنے دھاری دار آنچل میں چھپاتی ہوں تجھے
تاکہ تو جیون کا رس پی کے ہو
از سرِ نو تازہ دم !

○

سنا اے راج ہنس! اپنی کہانی
ترا آنا ہوا کس سرزمیں سے؟
کہاں ہے منزلِ مقصود تیری؟
مکانی ہے کہ یا تو لامکانی؟
تجھے بخشا پرِ پرواز کس نے؟
سرو ور میں تو کس کو ڈھونڈتا ہے؟
ترا دل بھی کہیں کیا کھو گیا ہے؟

زوالِ مہ ہے طلوعِ سحر، مگر دیکھو
وہ مسکرا کے ستاروں کو یہ بتاتا ہے:
کنارِ چرخ پہ میں انتظار کرتا ہوں
کہ آفتاب کو جھک کے خوش آمدید کہوں
اور اس کے بعد دلِ نیل میں اُتر جاؤں!

○

لفظ کہتا ہے تخلیق سے :
دیکھتا ہُوں تجھے تو مجھے
ہوتی ہے اپنی بے مائگی پر خجالت بہت
سُن کے تخلیق کہتی ہے :
لیکن حقیقت تو برعکس ہے
مجھ سے پُوچھو کہ میں کتنی بے تہ ہُوں نادار ہُوں
میں نے گرچہ محنت بہت
ست اسنت
تیرا بھرپُور پن ، ایکتا تیری مجھ کو نہ حاصل ہوئی!

○

رات چپکے سے جنگل میں آ کر
شگوفوں سے شاخوں کو گُل پوش کر کے
دبے پاؤں واپس چلی جاتی ہے
پھول بیدار ہو کر مسرت سے چلّاتے ہیں
صبح کی مہربانی ہے یہ سیلِ خوشبو یہ طغیانِ رنگ
ہم اس احساں کے ممنون ہیں
پھوٹے چہروں سے دل کی امنگ
صبح ہنگامۂ تہنیت میں بھرے آہوانہ شلنگ
اور منہ سے کہے بے درنگ :
اس میں کیا شک کہ میں نے کھلائے گُلِ رنگ رنگ
کھیلو سیاں کے سنگ !

○

عشق آتا ہے تہی دست، تبسم بر لب
'کیا ہے دامن میں؟' طلبانہ ہوس نے پوچھا!
عشق بولا: کہ تجھے سمجھی ہو کیا بڑ بولا
اپنی دریافت کو پوشیدہ ہی رکھوں: میں تو
یہ زرِ داغِ دل اک گنج گرانمایہ ہے'
ایک اندازِ تمسخر سے ہوس بولی: دیکھ
سرِ بازار دکھاتی ہوں خزانہ اپنا
تو ہے اسرار کا تابوت میں نقارہ ہوں
تو ہے زنجیرِ تخیل میں حقیقت کی کنیز
تیرے خوابوں کو میں شرمندۂ تعبیر کروں
دونوں ہاتھوں سے ملے جو بھی سمیٹوں، میں تو!

○

مرد کہتا ہے: میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں
عقل و طاقت میں ہوں تجھ سے میں کہیں بڑھ چڑھ کے
عورت آنکھوں کو جھکا کر بولے:
چھوٹے پن کی ہے دلیل اترا ہٹ!
مرد کہتا ہے: یہ ہے ترياہٹ
گھر کی قیدی ہو جو نکلی کبھی گھر سے باہر
پاؤں میں شرم و حیا کی زنجیر
حفظِ ناموس ہو جھٹ دامنگیر!
گفتگو سُن کے یہ شاعر بولا:
تو سمجھتا ہے رکاوٹ جس کو
وہی عورت کا ہے حسن و زیور!

صراحی کا پانی ہے شفاف ۔ روشن
سمندر ہے مواج ، تاریک ، گہرا
ہے چھوٹی صداقت پُر الفاظ ، واضح
بڑا سچ ہے خاموش ، تہ دار ، دھندلا !

○

پھول دیتا ہے صدا : پھل ! مرے پھل :
تو کہاں ہے ؟ مجھے آواز تو دے !
آسماں سر پہ اُٹھا رکھا ہے
میں کہاں جاؤں گا میں تو ہوں اٹل
میں تو رہتا ہوں تمہارے دل میں
اپنی تکمیل میں مصروف ، سدا ، پیہم کوشش

وقت نے لاف زنی کی، میں ہوں حاکمِ جہاں
سن کے بولی یہ گھڑی: میرے بغیر آپ کہاں

فرصتِ ہستی ہے کتنی مختصر!
کس قدر مجبور و بے بس ہے بشر!

کُلّ شیٔ ہالکٌ اِلّا وَجْہُہٗ
ایک سا ہے عارف کو جنگل ہو کہ گھر

تختۂ تابوت تختِ سلطنت
بادشاہت بانجھ ہے اے تاجور!

دوستاں اقرار مست و بے عمل
دشمناں انکار مست و دیدہ ور

دل جلائے رات کے راز و نیاز
مشعلِ شب کو بجھاتی ہے سحر

آج میرے گھر میں شب باشی کرو
دل تڑپتا ہے تو سنتی ہے نظر

اے نگارِ دل فریب و جاں نثار!
نازنیں سیمبر، رشکِ قمر!

میں نہیں آیا ٹھہرنے کے لئے
تیر پتھر پر نہ ہو گا کارگر

قیمتِ ہمیان و کیسہ زر سے ہے
باشرف کردار سے ابنِ بشر

جو کبھی فن تھا وہ پیشہ بن گیا
روز و شب کلک و ورق ہیں نوحہ گر

چور کیا جانے ثواب و مزد کو؟
بندۂ زر کیا کرے قدرِ ہنر؟

علم تیرا مرغِ دست آموز ہے
بے خرد لیکن رہے بے بال و پر

اپنی تقصیرات کا ہو عذر خواہ
اور ہر نا کردنی سے توبہ کر

آزمائش انتظار و صبر کی
زندگی ہے قیمتِ عرضِ ہنر

صاحبو! اِنّی اریٰ ما لا ترون
تم اسیرِ جاہ و زر، میں نغمہ گر

عورتیں نازک ہیں شیشوں کی طرح
اکتفا نظارہ چینی ہی پہ کر

ہے یقیں خوف و رجا کے درمیاں
اے دلِ شوریدہ مغز و خود نگر!

بند ہے دروازہ چابی کھو گئی
اب مسافر رات کاٹیں کس کے گھر؟

رکھ نہ اُمیدِ وفا ہر شخص سے
ہر شجر ہوتا نہیں سیراب ثمر

کتنا دِل کش خوبصورت جسم ہے!
کس کی قسمت کا ہے یہ گنجِ گہر؟

سُرخ ہونٹوں میں مئے ناب نشاط
بارِ انبہ سے لچکتی ہے کمر

لب پہ ہے یا لیتنی کُنتُ تراب
قلبِ کافر میں بھڑکتے ہیں شرر

خلعتِ عریانی و جاگیرِ دشت
ہے نصیبِ عاشقِ تفتہ جگر

غالب و مغلوب و محجوب و محب
ہے ظہور اپنا ہی دیکھیں ہم جدھر

ہو گئے مدغم ہماری ذات میں
کفر و ایماں ، نور و ظلمت ، خیر و شر

نور ہے تو نور ہے تیرا حجاب
اے خدائے عرش و فرش و بحر و بر!

کر عطا ہم کو تو کافات الشتاء
اے گلہ بخشندۂ کوہ و کمر!

علم کو مُردہ ، تخیّل کو مسیحا کہیے
جذبۂ دل بُتِ سنگی کو بھی زندہ کر دے

خامشی نغمۂ شیریں کو جنم دیتی ہے
خوابِ نعم البدلِ شاہدِ طنّاز بنے

تیرے پائے کو نہ پہنچے پرِ پروازِ عقاب
روکتی ہے مری قدرت مجھے اہلِ کیں سے

کبھی سلطان کبھی کنج نشیں کملی پوش
گیان گنُ والے سدا ہوتے ہیں موجی بندے

انہیں دیکھو تو کہو: شانت مہاساگر ہیں
من میں جھانکو تو جہنّم کی جوالا بھڑکے

کچھ نہ عاشق کو سہائے لبِ جاناں کے سوا
آبِ باراں کے سوا کچھ نہ ابابیل پیئے

کشش و جذب کا ظاہر ہو اثر آخر کار
آنکھ سب حال کہے پیار چھپایا نہ چھپے

تم عبث کھینچتے ہو زحمتِ قسر مساقی
ہیں زن و مئے تو مباح آدمی زادہ کے لئے

یُوں سرِ شام دریچے میں تو استادہ ہے
قرصِ خورشید ہو مشرق سے نمایاں جیسے

موہ کی آگ ہے بجھ بجھ کے سُلگ اُٹھتی ہے
چین ملتا ہے کہاں تیری جدائی میں مجھے!

صحبت آراستہ کر اور اُٹھا رُخ سے نقاب
آتشِ ہجر نصیبِ دلِ بد خواہ رہے!

صاحبِ فہم و فراست زنِ طبّاع و ظریف
پُر کرے دامنِ مطلب کو دُرِ غلطاں سے

ابھی غارت گریٔ عشق سے آگاہ نہیں
مجھ سے قلّاش سے وہ نقدِ دل و جاں مانگے

جیسے سُورج کی کرن پڑنے سے بھڑکے بلّور
ہونٹ ہونٹوں سے ملیں شعلوں کے پر ہوں جیسے

سروِ گلزار میں یہ قامت و رفتار کہاں!
یہ بدن خواجہ سرا کو بھی ہوسناک کرے

جان کیا چیز ہے تلوار کی قیمت پُوچھو
سیر کو نکلے تو شمشیر حمائل کر کے

مری محبوبہ پہنتی ہے اندھیرے کا نقاب
رہے پوشیدہ ہمیشہ نظرِ مردم سے

دل کا احوال ہے سب لوحِ جبیں پر منقوش
مسکراتے ہوئے دیکھے وہ کن انکھیوں سے مجھے

لبِ شیریں سے ملاتی ہے تشکر تھوڑے میں
پُر کرے جامِ مرصّع مئے ریحانی سے

کیس کاجل کی طرح، جھیل سی گہری آنکھیں
بول سنگیت بھرے، نین کجر .بن کارے

لو کلاوے میں مجھے عذر بہانے نہ کرو
پھر ملے گی یہ جوانی نہ کسی حیلے سے

راس دن رات رچاتے ہو کسی سوت کے سنگ
پریم دیوانی مرا درد نہ جانے کوئے!

جرعۂ زمزمِ کنجِ لبِ جاناں کے بغیر
عطشِ بادیہ و جوعِ بیاباں نہ مٹے

کوچۂ عشق میں کس منہ سے قدم رکھنا ہے
خلق کے طعن تنوڑوں کو بھی جو سہہ نہ سکے؟

نہ محبت نہ جوانی نہ مسرت نہ یقیں
غنچۂ خاطرِ بیدل ہو شگفتہ کیسے؟

کہے عباسہ و جعفر سے دمِ عقد رشیدؔ
"سایہ تم دونوں پہ تنہا کسی چھت کا نہ پڑے!"

ماسوا سے جو ہو وہ انس نہیں وحشت ہے
کوئی شاعر کسی عورت سے نہ تشبیب کرے

شاذ و نادر ہی ہوا حسن و ذہانت کا ملاپ
شاذ و نادر ہی کسی خواب کی تعبیر ملے

طنز و تعریض کی جس شخص میں برداشت نہیں
کس لیے آنکھ لڑاتا ہے نگارِ فن سے؟

مورخ طبری لکھتے ہیں۔

حدحدثنی احمد بن زھیر، احسبه عن عمه زاھر بن حرب

انّ سبب ھلاک جعفر والبرامکه ان الرشید کان لا یصبر عن

جعفر وعن اختہ عباسه بنت المھدی وکان یحضرھا

اذا جلس للشرب۔

فقال لجعفر ازوجکھا لیحل لک النظر ولا یکون منه شئ

ممّا یکون للرجل الی زوجته فزوجھا منه علی ذلک

تاریخ طبری کبیر

ذکر ایقاع الرشید بالبرامکہ

احمد بن زہیر نے مجھ سے بیان کیا اور میں گمان کرتا ہوں کہ اس نے اپنے چچا زاہر بن حرب سے سنا ہوگا کہ جعفر برمکی اور اس کے خاندان کی ہلاکت کا سبب یہ ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کو بغیر وزیر جعفر اور اپنی بہن عباسہ کے ایک دم بھی صبر نہ آتا تھا اور یہ دونوں رشید کے جلسۂ مے نوشی میں شریک ہوتے تھے (لہٰذا رشید نے اس خیال سے کہ یہ دونوں میری بزم طرب میں ہمیشہ شریک ہُوا کریں) جعفر سے کہا میں چاہتا ہوں کہ عباسہ کا نکاح تمہارے ساتھ کردوں۔ تاکہ تم کو عباسہ کا شرعاً دیکھنا مباح ہوجائے۔ اور تم دونوں بلاتکلف جمع ہوسکو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میاں بی بی میں مقاربت نہ ہو چنانچہ اس شرط پر نکاح ہوگیا

مورخ ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ آل برمک لکھتے ہیں:

خلیفہ ہارون الرشید کا دستور تھا کہ سلطنت کے تمام کاموں کے بعد شب کو عیش و طرب کے جلسوں میں بیٹھا کرتا تھا۔ اور باوجود صوم و صلاۃ کی پابندی کے اس کی یہ مجلس رندانہ ہوتی تھی۔ پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہوتا، بے تکلف احباب جمع ہوتے اور نبیذ کا دور چلتا۔ اس قسم کے جلسوں میں خلیفہ کی بہن عباسہ بھی شریک ہوا کرتی تھی۔

عباسہ میں علاوہ حسن و جمال کے سلیقہ شعاری اور علم و ادب تمام بیگمات حرم سے زیادہ تھا۔ اس لیے ہارون الرشید کو کمال محبت تھی اور فطری محبت کے علاوہ خاص اتحاد کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ خلیفہ ہادی اپنے عہد حکومت میں ہارون کو تخت سلطنت سے محروم کرنا چاہتا تھا۔ اور دعوے دار خلافت سمجھ کر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا اس وقت یہ عزیز بہن ہادی کو سمجھاتی تھی۔ کہ "بھائی جان! ہارون پر اس قدر سختیاں کرنا خلاف مصلحت ہے۔ آپ کے بعد خلافت کا وارث ہارون ہے۔" چنانچہ اس وقت کی سفارشوں کا بھی کچھ اثر تھا جو ہارون کے دل پر قبضہ کئے ہوئے تھا۔ غرضکہ از حد محبت تھی۔ لیکن جیسی بہن عزیز تھی ویسا ہی جعفر برمکی وزیر السلطنت بھی پیارا تھا۔ ایسے جلسوں سے جعفر کی غیر حاضری بھی ہارون کو شاق گزرتی تھی کیونکہ جعفر کی بذلہ سنجیاں اور ہر موقعہ پر عمدہ اشعار پڑھنا بھی اس جلسے کی ایک قابل قدر چیز تھی۔ اس لئے ہارون کی یہ خواہش تھی کہ اس بزم طرب میں بلاناغہ جعفر اور عباسہ دونوں شریک ہوا کریں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ عفت مآب پارسا شہزادی جعفر کے سامنے آتے ہوئے جھجکتی تھی اور ایک جگہ بیٹھنا ناپسند کرتی تھی

لیکن مجبوراً بھائی کے حکم کی تعمیل کرنی تھی۔ اس جناب کے وظیفے کی ہارون نے یہ تدبیر نکالی کہ دونوں کا عقد کر دیا جائے کہ جو مغائرت اس وقت ہے وہ جاتی رہے۔ چنانچہ اپنے اس خیال کو ایک مرتبہ جعفر سے بایں الفاظ ظاہر کیا کہ "جو دلی محبت تم سے ہے وہ ظاہر ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ عباسہ سے مجھ کو کس قدر انس ہے۔ لہٰذا میری خواہش ہے کہ میں تم دونوں کا عقد کر دوں۔ اس طور پر ایک دوسرے کا دیکھنا مباح ہو گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ خلوت صحیحہ نہ ہو۔ اور جب تک میں موجود نہ ہوں تم دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے"۔

خلیفہ کا یہ بیان سن کر جعفر حیرت زدہ رہ گیا اور خلیفہ کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ "امیرالمومنین! باوجود اس مہربانی کے جو میرے حال پر ہے مجھے امید ہے کہ آپ میری جان اور مال اور میرے خاندان کی تباہی کبھی پسند نہ فرمائیں گے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی غلام اور خادم نے اپنے ولی نعمت کے خاندان میں شادی نہیں کی ہے اگر کسی نے ایسا خیال بھی کیا تو وہ خانماں برباد ہُوا۔ اور قیامت تک بدنامی اور رسوائی کے داغ سے نہ چھوٹا۔ آخر میں نے کیا گناہ کیا ہے کہ خلیفہ میرے خون کا پیاسا ہے کیا میری خدمتگزاری کا یہی صلہ ہے کہ خاندان برامکہ تباہ و برباد کر دیا جائے؟ علاوہ بریں میں ایک عجمی آتش پرست ہوں (باعتبار خاندان) مجھ کو خاندان رسالت (روحی فداہ) سے نسبت ہی کیا ہے؟ میں ہرگز اس لائق نہیں ہوں کہ میرا نکاح حضرت عباسہ سے کیا جائے میرے ماں، باپ، بھائی جس وقت اس خبر کو سنیں گے۔ تغیر مزاج امیرالمومنین سے فوراً ہلاک ہو جائیں گے۔ اور میرے دشمن اس خبر کو سن کر خوش ہوں گے اور اس کو میرے

اقبالی کا خاتمہ سمجھیں گے امیرالمومنین! عجم کی تواریخ پر غور فرمائیں کہ سلطنت اکاسرہ کی ... ت سو برس کی مدت میں کوئی واقعہ بھی ایسا گزرا ہے کہ کسی نے اپنی بہن یا بیٹی کا عقد ایک ... دنی نوکر یا غلام سے کر دیا ہو بلکہ اس قسم کی قرابت میں بہت احتیاط کی ہے اور بلا سوچے سمجھے کبھی ایسی جرأت نہیں کی ہے اگر کسی غلام نے حرم میں دست درازی کی ہے تو وہ نمک حرام کہلایا ہے اور تباہ ہو گیا ہے۔ بہ لحاظ تقدس نسب یہ کیونکر جائز ہے کہ شہزادی عباسہ کے شوہر ہونے کی عزت مجھے نصیب ہو؟"

چنانچہ جعفر کو اس خیال سے اس درجہ پریشانی ہوئی کہ چند روز کے واسطے کھانا پینا بھی چھوٹ گیا لیکن قضائے الہٰی سے کوئی چارہ نہ تھا ہارون الرشید کے جاہ و جلال کے مقابلے میں جعفر کا کوئی عذر نہ سنا گیا اور شرط مذکورہ بالا پر نکاح ہو گیا جب اس نکاح کی یحییٰ و فضل وغیرہ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے ایک مجلس ماتم منعقد کی اور خوب روئے اور تمام خاندان سوگوار بن گیا۔ اور یحییٰ وغیرہ کا اس وقت یہ خیال تھا کہ جب تمام دنیا میں ہماری شہرت ہو گئی اور ہمارے جود و سخا نے تمام عالم کو گھیر لیا تو ہارون کو ہم پر رشک آیا ہے اور اس فکر میں ہے کہ ہمارے خزانے لوٹ لے، اور جاگیریں ضبط کر لے۔ یہی عباسہ سبب ہماری ہلاکت کا ہو گی۔ بس خاندان کا اب خاتمہ ہے۔ موت کا زمانہ قریب ہے جس کا انتظار ہر وقت کرنا چاہیئے۔

جب نکاح کے بعد عباسہ و جعفر جلسوں میں شریک ہونے لگے تو ایک دفعہ پھر دونوں کو ہارون الرشید نے مخاطب کر کے کہا۔" دیکھو! خدا کی قسم میں پھر تم کو سمجھائے دیتا ہوں۔ کہ جس فعل سے میں نے تم کو روکا ہے کبھی بھولے سے اس کا خیال نہ کرنا۔ کسی چھت کا سایہ

تم دونوں یہ نہ پڑھے، جب تک ہارون وہاں موجود نہ ہو کبھی ایسا نہ ہو کہ بغیر میری موجودگی کے دونوں ایک جگہ جمع ہو۔"

چنانچہ دونوں نے اس نصیحت کو سنا اور جہاں تک ممکن ہوا۔ جعفر اپنے قول میں عرصے تک ثابت قدم رہا۔ نکاح کے بعد اب کوئی امر مانع نہیں تھا کہ اس لئے ہارون الرشید کی مجلس عیش میں بے تکلف دونوں شریک ہونے لگے۔ جب روزانہ نشست سے ایک کو دوسرے کے حسن خداداد کے نظارے کا موقع ملا تو طرفین میں محبت بڑھنے لگی۔ لیکن ہارون کی موجودگی میں سوائے معمولی گفتگو اور ظاہری نظارے کے اور کیا ہو سکتا تھا؟ عباسہ جعفر سے روز بروز مانوس ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ جب ہارون الرشید کو معلوم ہوا کہ فریقین میں شیفتگی بڑھ رہی ہے تو اس کو اس نکاح پہ نہایت افسوس ہوا۔ اور عباسہ کی آمد و رفت میں کمی کر دی۔ کیونکہ ایک دم سے تفرقہ کرنا بھی مصلحت نہ تھا (ہارون الرشید بفراست دریافت کہ میان ایشاں رفت آنچہ رفتنی بود و از آں تنزویج بشوریدو در حال تفرقہ کردن مصلحت ندید۔ و جعفر و عباسہ بہ جہت مواصلت در حیلہ و چارہ شدند)

جب کسی قدر روک ٹوک ہوئی تو عباسہ نہایت بے چین ہوئی اور حالت بے صبری میں اپنی دلی حالت بذریعہ تحریر جعفر تک پہنچائی لیکن جعفر نے قاصد کو حقارت سے نکال دیا۔ اور خط کا کچھ جواب نہ دیا (مسعودی نے بھی یہی لکھا ہے) جب اس تدبیر میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے دوسری تدبیر یہ سوچی کہ عتابہ[1] مادر جعفر برمکی سے میل جول بڑھایا اور نہایت قیمتی

---

[1] مصنف اعلام الناس لکھتا ہے کہ ایک مشاطہ جو جعفر کے محل کی کنیزوں کا بناؤ سنگار کیا کرتی تھی عتابہ (باقی اگلے صفحہ پر)

جواہرات اور تحائف عتابہ سے نذر کئے۔ جب کسی قدر اپنے موافق کر لیا تو ایک دفعہ عباسہ نے عتابہ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ "خاندان عباسیہ سے جو جدید تعلقات خاندان برمکی کے ہوئے ہیں وہ جعفر کے واسطے باعث فخر ہیں اور یہ رابطہ دن بدن قوی ہونا چاہیئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ یہ تعلق باعث زوال ہوگا۔ اور جعفر کو کسی قسم کا نقصان پہنچے گا۔ جہاں تک ہوسکے آپ کو میری مدد کرنی چاہیئے۔"

چنانچہ عتابہ نے عباسہ کا کہا مان لیا۔ اور وعدہ کیا کہ کسی حیلے سے میں تم کو جعفر سے خلوت میں ملاؤں گی۔ اب عتابہ نے حیلے ڈھونڈھنا شروع کئے۔ اور جعفر سے کہا کہ "سنتی ہوں ان دنوں ایک کنیز بکنے والی ہے جو ملاحت صباحت کے علاوہ نہایت ہوشیار ہے بلکہ آج اس کل

(بقیہ حاشیہ) نے رشوت سے اس کو اپنی طرف ملا لیا تھا اور لونڈیوں کے روپ میں اس کے ذریعے سے جعفر تک پہنچ گئی۔

[1] ابن خلکان میں لکھا ہے کہ ہر جمعہ کو ایک باکرہ کنیز جعفر کے پاس خلوت میں بھیجی جاتی تھی۔ چنانچہ عباسہ نے عتابہ سے یہی درخواست کی تھی کہ ایک جمعہ کو لونڈی کے روپ میں مجھے بھیج دو لیکن عتابہ نے اس شرط کو اوّل نہیں مانا تب عباسہ نے عتابہ سے کہلا بھیجا کہ اگر میری یہ شرط نامنظور کی تو میں ہارون سے کہہ دوں گی کہ مجھ سے ایسا ایسا سلوک کیا گیا ہے اور اگر میں جعفر سے حاملہ ہو گئی تو تمہارے حق میں اچھا ہوگا۔

مثل نہیں ہے۔" اور اس درجہ اس کی تعریف کی کہ جعفر غائبانہ مشتاق ہو گیا اور بے صبر ہوکر ماں سے کہا "جس قدر جلد ممکن ہو وہ کنیز[1] خریدی جائے۔

چنانچہ عتابہ نے اقرار کیا کہ فلاں شب کو وہ آ جائے گی اور عباسہ کو اس حال سے مطلع کر دیا۔ لیکن عباسہ نے عتابہ کی ہدایت پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ اس ملاقات کے واسطے خود ہی یہ تدبیر سوچی کہ خلیفہ ہارون الرشید کی دعوت باغ میں کی جائے۔ عباسہ کا یہ باغ دجلہ کے کنارے نہایت عمدہ موقعہ پر واقع تھا۔ چنانچہ عباسہ نے ہارون سے درخواست کی کہ "اگر آپ مع مصاحبین وارکان سلطنت میری دعوت قبول فرمائیں تو کمال مہربانی اور عزت افزائی ہے اور میری یہ آرزو ہے کہ دس شبانہ روز تک باغ میں جشن منایا جائے۔"

ہارون نے اپنی بہن کی دعوت کو نہایت خوشی سے قبول کیا۔ عباسہ نے شاہانہ تکلف سے دعوت کی اور مہمانداری کی کوئی شرط فروگذاشت نہیں ہوئی۔ دستور کے مطابق ہر روز ایک حسین کنیز خلیفہ کی خواب گاہ میں بھیجی جاتی تھی۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو عباسہ نے ہارون سے کہا کہ "آج تیسری رات ہے جعفر تنہا سوتا ہے کوئی کنیز بھی خدمت کے واسطے نہیں بھیجی

---

[1] ایسی گل اندام کنیزیں روم و ایشیائے کوچک کی خوبصورت لڑکیاں ہوتی تھیں جو لڑائی کی لوٹ میں پکڑی آتی تھیں۔ دلال ان کو سستے داموں پر خرید لیتے تھے اور موسیقی، شاعری، ایام العرب، ادب، خوشنویسی، ظرافت اور حاضر جوابی کی تعلیم دلواتے تھے۔ ان فنون میں کامل ہو کر وہ نہایت گراں قیمت پر بازار میں بکتی تھیں۔

تی۔ ۔د۔ بلا اجازت کنیز کو کیونکر بھیجتی؟ ہارون نے کہا غلطی ہوئی آج ضرور بھیجنا چاہیئے۔"
اگرچہ عباسہ نے ہر روز ایک کنیز جعفر کے پاس بھیجی تھی مگر مصلحتاً انکار کر گئی۔ جب ہارون سے کنیز
کے بھیجنے کی اجازت مل گئی تو عباسہ نے خود لونڈیوں کا سا روپ دھارا۔ اور شب خوابی کا لباس
پہن کر جعفر کے پاس پہنچی۔ اگرچہ عباسہ نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ جعفر اس کو نہ پہچان سکے
لیکن جعفر نے دیکھتے ہی پہچان لیا[1]۔ اور ہارون کے خوف سے کانپنے لگا اور عباسہ کے قدموں
پر اپنا سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ اے سیدہ! میری ہلاکت میں کوشش نہ کر۔ میرے خاندان کی
ذلت اور تباہی کا باعث نہ ہو۔ تمہارے اور میرے دشمن بہت ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ یہ حال
ظاہر نہ ہو۔ صلۂ رحم اور محبت کا جوش ہارون سے سفارش کر کے تم کو قتل سے بچالے گا۔
لیکن میرے بھائی اور باپ ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے۔ اور یہ تم کو اچھی طرح سے
معلوم ہے کہ خلیفہ ہمارا دشمن ہے اور اس قسم کے بہانے ڈھونڈھ رہا ہے۔ عباسہ نے
جعفر کی باتوں کا کچھ لحاظ نہ کیا اور مذاق میں اڑا دیا اور نہایت نرم اور شیریں الفاظ میں
جعفر سے کہا: کہ

"میرے پیارے شوہر! کیا شرعاً میں تجھ پہ حلال نہیں ہوں میری طرف دیکھ! کیا
میری نظر دنیا میں ہے؟ تیرے اوپر سے ہزار جانیں قربان ہوں، تجھ کو کیا ہو گیا ہے؟

---

[1] ابن بدرون لکھتا ہے کہ جعفر نے عباسہ کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ اور خلوت ہونے کے
بعد جب عباسہ نے اپنا نام بتایا اس وقت جعفر کو ہوش آیا۔

ا شوہر نہیں ہے؟ اور میں تو کبھی کبھی ملنے کی خواستگار ہوں۔ اور اس حال
وجہ نہ ہو گی؟ جعفر کے دل پر عباسہ کی تقریر کا پورا اثر ہوا۔ نہ ہارون کے معاہدے
ل رہا۔ نہ خاندان کی بربادی کی پروا کی۔ اور اس خلوت کدے میں بمقتضا سے
وہ سب کچھ ہو گیا جس کا ہارون مانع تھا۔ اس دن کے بعد دعوت کا جلسہ ختم ہو گیا
تکلفی کی ملاقات کے بعد چوری چھپے سے دونوں کبھی کبھی ملا کرتے تھے۔

روضۃ الصفا مصنفہ میر خواند بن خاوند شاہ (متوفی ۹۰۳ھ) میں عباسہ کے متعلق
کہ جعفر کے پاس کنیز کے لباس میں بھیجی گئی تھی۔ جب صبح ہوئی تو عباسہ نے جعفر سے
کیا "فرمایئے، بنات ملوک میں کیا لطف ہے؟" یہ سنتے ہی جعفر کا نشہ اتر گیا۔ اور
پریشان ہوا۔ اور وضع حمل کے بعد یہ راز فاش ہو گیا۔ لیکن اس وقت صرف عباسہ
واقف تھیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے زبیدہ خاتون کو جملہ حالات سے
کی اور زبیدہ نے ہارون الرشید سے تذکرہ کیا۔ ہارون الرشید نے زبیدہ سے کہا
پاس کیا دلیل ہے کہ جعفر نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟ زبیدہ نے جواب
سہ کے ایک لڑکا پیدا ہو چکا ہے اور یہ سب سے بڑا ثبوت ہے اور یہ لڑکا مکہ
ایک غلام ایاس کی نگرانی میں بھیج دیا گیا ہے۔ رشید یہ سن کر چپ ہو گیا اور زبیدہ
دیکھو خبردار محل کی کوئی کنیز اس حال سے واقف نہ ہونے پائے اور تحقیقات کی

غرض سے اس نے مکہ معظمہ کا سفر کیا۔

صاحب اعلام الناس لکھتا ہے :

ہارون الرشید کو جعفر و عباسہ کا واقعہ ایک غلام کی زبانی معلوم ہوا جس کا نام ارجوان تھا یہ بطور جاسوس کے جعفر کے محل میں تعینات تھا۔ اس نے رشید سے بیان کیا کہ جعفر و عباسہ میں سات برس سے مخفی تعلقات ہیں اور تین لڑکے پیدا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ایک چھ سال کا دوسرا پانچ سال کا موجود ہے اور تیسرا دو سال کا ہو کر فوت ہو چکا ہے۔ اور عباسہ اس وقت بھی حاملہ ہے۔ اور وہ دو بچے مدینہ منورہ روانہ کر دیئے گئے ہیں تاکہ افشائے راز نہ ہو (لڑکوں کی تعداد میں اختلاف ہے)

یہ حالات سنتے ہی رشید نے سب سے پہلے ارجوان کو مصلحتاً قتل کرا دیا اور اس کے بعد محل میں زبیدہ خاتون کے پاس گیا۔ اور اپنی ذلت و رسوائی کا حال بیان کیا اور اسی حالت غیظ و غضب میں رشید نے مسرور غلام کو طلب کیا۔ اور حکم دیا کہ آج رات کو جلاد اور دس مزدور حاضر رہیں چنانچہ شب کو عباسہ کو حاملہ پایا۔ اور اس کو سوتے میں قتل کرا یا اور جس طرح سو رہی تھی ویسی ہی اس کی نعش کو ایک صندوق میں رکھ کر قفل لگایا اور صندوق کو کنواں کھود کر دفن کیا۔ پھر مسرور کو حکم دیا کہ مزدوروں کو ان کی اجرت ادا کر دو۔ مسرور نے (رشید کے اشارے کے مطابق) مزدوروں کو بوروں میں سی کر سطح دجلہ میں غرق کر دیا۔

اس کے بعد ہارون الرشید نے عباسہ کے مدفن کی کنجی مسرور کو دے کر تاکید کی کہ اس کو احتیاط سے رکھنا جب میں طلب کروں پیش کر دینا۔

عباسہ کے قتل کے بعد اب ہارون الرشید نے مکہ معظمہ کا سفر کیا حج سے فراغ کے
بعد مدینہ منورہ کا سفر کیا اور راوی کے بیان کے مطابق جعفر کے دونوں بچے رشید کے سامنے
پیش کئے گئے۔ ان کو دیکھ کر رشید کو نہایت ہی تعجب ہوا۔ کیونکہ علاوہ حسن و جمال کے ان کی
زبان نہایت فصیح تھی۔ اور جو فصاحت و بلاغت آل ہاشم میں ہونا چاہیئے وہ ان میں
موجود تھی۔ چنانچہ رشید نے بڑے لڑکے سے پوچھا "قرۃ العین! تمہارا کیا نام ہے؟
اس نے کہا کہ میرا نام حسن ہے۔ پھر چھوٹے سے دریافت کیا۔ کہ میرے پیارے! تجھ
کو کیا کہہ کر پکارتے ہیں؟ اس نے کہا مجھ کو حسین کہتے ہیں۔

چنانچہ رشید ان بچوں کے حسن و جمال سے متاثر ہوا۔ اور خوب رویا۔ پھر ان کو
مخاطب کر کے کہا جو مومن کو ستائے خدا اس پر رحم نہ کرے! اس وقت ہارون الرشید
اپنے ہوش میں نہ تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ پھر مسرور کو حکم دیا
کہ ان دونوں کو قتل کر کے ان کو بھی عباسہ کے ساتھ دفن کر دے!

اس کے بعد غلام اور بچوں کی دایہ بھی قتل ہوئے!

بحوالہ البرامکہ

از محمد عبدالرزاق کانپوری

سراب

اے دوست! جہانِ رنگ و بُو میں
پابندِ بدن وجودِ انساں
ہر چند کہ ہے مگر نہیں ہے
مٹّی کا ہے بُت بشر نہیں ہے
جو ہے وہ نمودِ سیمیا ہے
وہ دیکھ وہ خاکِ پاکِ یوناں
یہ علم و ہنر کی سرزمیں ہے
ایتھنز کے شہرِ آرزو میں
لوگوں کے ہجوم کوبکو میں
قندیل بدست دیو جانس
انساں کو تلاش کر رہا ہے!

حرفِ آخر

صبح نے قافلۂ شب سے کہا وقتِ وداع!
علتِ منزل ہے باندازۂ اندوہِ سفر
کیفیت کوئی بھی ہو عارضی و آنی ہے
عمر ضائع نہ کر اے دل کہ جہاں فانی ہے
صبح کو پھول کھلے شام کو مرجھا جائے
قربِ میخانہ و ہمسائگیٔ مرقد ہے
ایک پل روشنی پھر تیرگیٔ سرمد ہے
علمِ نائمِ بشری فکر و نظر کی حد ہے
کنہہ اشیا کو پرکھ ظاہری صورت پہ نہ جا
زرِ احمر سے گراں تر حجرِ اسود ہے
وہی زندہ ہے جو بار آور و با مقصد ہے!

داغِ تمنّا

دریچے کے پٹ سے لگی محوِ نظّارہ ہے
ٹکٹکی باندھے کون نگاہوں سے کس کو تکے؟
دلآویز تر نار دانے سے لب
شرابور تن ہے ٹپکتے ہوئے موتیوں سے درخشاں
اُبلتا لہو اور چڑھتی جوانی
ہوس سر میں وسواس دل میں
ہوا میں ترشح ہے سبزے پہ شبنم
طاقِ نیلوفری میں گلِ سُرخ کھلتا ہے وقتِ سحر
کسی دُوسرے کے لئے کر رہی ہے بناؤ سنگار
اسپ و شمشیر و زن میں وفا کس نے دیکھی؟
نہ میری طرف سے گلہ ہے نہ شکوہ ہے تیری طرف سے

ہوا سو ہوا اب ندامت سے سود!

بجز موت کے ہر مرض کی دوا ہے
یہ دُنیا تو ہے اتفاق و تغیر کا دریا
حوادث کی خونیں گزرگہ
(یہ ساحل یہ منزل مری جستجو کا نتیجہ نہیں)
کوئی دم ٹھہر جا کہ جی بھر کے ظالم تجھے دیکھ لوں
ہمہ تن تمنا سراپا جنوں
سمندر کی آغوش میں
ملے آبجو کو سکوں!

○

تُو نے دیکھی نہیں وہ پردہ نشیں دوشیزہ
چاند کیا چیز ہے، نسرین و گل و لالہ کیا!

جب اُٹھاتی ہے قدم جھانجھنیں بول اُٹھتی ہیں
کام سرمنڈوں سے لیتے ہیں نوا سنجی کا

کہیں جالی سے بھی رُک سکتی ہے سُورج کی کرن
پردہ میں ماہِ مبرقع ہے مگر بے پردہ

جان دیتا ہُوں مگر نام سے آگاہ نہیں
درد کو میں نے کلیجے سے لگا کر رکھا

قرۃ العینِ سیالآں ہو کہ بنتِ گجراتؑ
عشق سے حسنِ بتاں شہرۂ آفاق ہوا

عشق میں فقر و غنا کی کوئی تفریق نہیں
دیکھ سقاؔح پہ مفتون ہے اُمِّ سلمہ

دل وہ قیدی ہے جو رم خوردۂ آزادی ہے
بحرِ ذخار تھا جو چشمۂ پایاب بنا

تو گرفتار ہوں مخمورِ گرفتاری ہوں
سُن کہ وارستۂ عالم ہے گرفتار ترا

تیرے ہونٹوں کو پیوں گا مئے لعلیں کی طرح
میں ہوں پیاسا تری آواز کی موسیقی کا

عشقِ شوریدہ کو معلوم نہیں کیا ہے ضمیر
عقل کو ضابطۂ ہوش فراموش ہوا

آنکھیں چقماق ہیں آپس میں رگڑ کھانے سے
ان سے ہوتے ہیں محبت کے شرارے پیدا

کوئی تفہیم نہ ہو عشق میں تاثیر پذیر
ہیں وہی عاشقِ دیرینہ ہُوں نیرا کہ جو تھا

خندۂ زیرِ لب و گریۂ پنہانی نے
رازِ سر بستہ کو رسوا سرِ بازار کیا

آرزو مندِ ملیحانِ طرحدار ہے دل
سر میں سودا ہے غزالانِ غزل پیکر کا

آگ سی دل میں لگاتی ہیں تمہاری آنکھیں
تم میں کچھ اور بھی ہے کیا یخ و آہن کے سوا؟

دم بدم لحظہ بلحظہ ہے زیادہ خواہش
ہاں سقنقور ہے کیا؟ ساقِ زنِ بیگانہ

کبھی سونے کا پیالہ ہے کبھی جامِ سفال
حسن کو ہم نے ہمیشہ متلوّن پایا

قسمتِ ابنِ ابیؓ عامر و سلطانہؑ صبح
کہہ رہا ہے نہیں پیمانِ وفا پایندہ

تابعِ مصلحتِ وقت ہے اخلاص و وداد
یارِ ہمخواب بنے بجور بھئے بیگانہ

بارہا عشق عداوت میں بدل جاتا ہے
حالِ حیرت کدۂ دل کا کھلا پر نہ کھلا

کون محفوظ رہا کیدِ زناں سے اے دل؟
کس سے فریاد کریں: لے گئی جوہنؓ ثریا؟

ہاتھ دے جس کو وہ چاہے، جسے چاہے پیماں
کر کے تسخیر وہ بیدرد مجھے بھول گیا

مقصدِ زیست ہے آسائش و لذّت کا حصُول
کھیل ہے من کی لگن، پیار ہے جی پرچاوا

تو وہ بُلبل جو چہکتا ہے ہجومِ گُل میں
میں ہُوں پروانہ جلوں آتشِ فرقت میں سدا

مجھے مجذُوب و جنونی نہ کہو اے لوگو
میں نشے میں ہُوں مگر ہوش میں ہے دل میرا

دل ذکی ہے کہ ذکاوت ہے خصوصیّتِ دل
حدس و اشراق و فراست بھی اسی کا شعبہ

حق کو جو ترک کریں شہوتِ فانی کے لیے
ہوتے ہیں دیدہ و دانستہ گرفتارِ بلا

صاف کرتے ہیں جلا دیتے ہیں اشکوں سے نہیں
دل بھی لوہے کی طرح ہوتے ہیں زنگ آلودہ

عام لوگوں کی نظر سطح پہ پڑتی ہے فقط
تو کسی شخص کے آوازۂ شہرت پہ نہ جا

دل ہوا رہنِ ہوا اور ردا رہنِ غبار
یہ گراوٹ نہیں اپنے کو میں دیتا ہوں سزا

وہ حسیں آنکھیں جہاں چاہیں مجھے لے جائیں
طاقِ ابرو میں ہے گویا کششِ کوہِ ندا!

۱؎ ہیر۔ سیالوں کے سردار اور جھنگ کے علاقے کے مالک چوچک کی نورِ نظر تخت ہزارے کے رہنے والے معظم کے بانسری بجانے والے بیٹے دھیدو۔ رانجھا کی محبوبہ

۲؎ سوہنی۔ گجرات کے کمہار تُلّا کی بیٹی۔ جس کے عشق میں بلخ و بخارا کا مغل ملک التجار مرزا عزت بیگ مہینوال (بھینسیں چرانے والا) بنا۔

۳؎ سفاح۔ ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن علی پہلا عباسی خلیفہ (۱۳۲ھ — ۱۳۶ھ / ۷۴۹ء — ۷۵۴ء) سفاح کی بی بی امّ سلمہ کے لقب سے مشہور تھیں اور یہ یعقوب بن ولید بن عبداللہ مخزومی کی بیٹی تھیں چنانچہ امّ سلمہ نے سفاح کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے خود ہی انتخاب کیا تھا۔ اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب سفاح ایک معمولی غریب عباسی تھا۔ (حارثیہ کنیز کے بطن سے)

امّ سلمہ کے پہلے شوہر عبدالعزیز بن عبدالملک بن مروان تھے۔ جب اس شہزادہ کا انتقال ہوگیا تو ایک دولت مند امیر (ہاشم) سے عقد کیا۔ جب یہ بھی داغِ مفارقت دے گئے۔ تو تیسرے شوہر کی جستجو تھی۔ اتفاق سے ایک دن اپنے محل میں بیٹھی ہوئی تھی کہ سامنے سے ابوالعباس عبداللہ کا گذر ہوا۔ پہلی ہی نظر میں ابوالعباس کی جوانی اور رعنائی پر فریفتہ ہو گئیں سہیلیوں سے کہا کہ ذرا دیکھنا یہ کون جا رہے ہیں؟ جواب ملا کہ یہ حضرت عباسؓ کی نسل سے ہیں۔ اس عہد میں بنو امیہ کی حکومت تھی اور ہاشمی عالمِ غربت میں پڑے پھرتے تھے لیکن امّ سلمہ نے جو ایک امیر کبیر خاتون تھیں ابوالعباس کے افلاس کا کچھ خیال نہ کیا۔ بلکہ

ان کی خاندانی شرافت اور ظاہری وجاہت کی بنا پر دوچار ان کے بعد (دستور عرب کے مطابق) ایک کنیز کی معرفت نکاح کا پیغام دیا۔ اور پیغام کے ساتھ ہی ایک سو اشرفیوں کی تھیلی بھی نذرانے میں بھیج دی۔

جب کنیز نے ابوالعباس کو ام سلمہ کا پیغام سنایا تو یہ حیرت زدہ رہ گئے اور بولے ام سلمہ ایک امیرزادی ہیں اور میں مفلس۔ ایسی حالت میں ان کے شوہر ہونے کی عزت کیونکر حاصل کر سکتا ہوں؟ کنیز نے کہا کہ حضور! ام سلمہ کی سرکار میں روپے کی کیا کمی ہے انہوں نے خود ہی نذر پیش کی ہے اس کو قبول فرما کر نکاح کی اجازت دیجئے!

ابوالعباس نے اشرفیوں کی تھیلی دیکھتے ہی نکاح کی منظوری دے دی اور اپنی بلند اقبالی پر مسرور ہوئے اور خود ہی ام سلمہ کے بھائی سے نکاح کا پیغام دیا۔ یہاں کیا دیر تھی چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا۔ پانچ سو اشرفیاں دین مہر قرار پایا۔ شب کو نوشہ میاں دلہن کے حجلۂ عروسی میں داخل ہوئے۔ حسینوں کا رعب حسن مشہور ہے۔ ان پر ایک وقت میں دو طرف سے بجلیاں گریں کبھی یہ ام سلمہ کے حسن وجمال پر درود پڑھتے تھے اور کبھی ایوان عروسی کے ساز و سامان کو نظر حیرت سے دیکھتے تھے۔ ام سلمہ ایک شہ نشین میں بناؤ سنگار کئے ہوئے زریں مسند پر جلوہ افروز تھیں۔ سارے بدن میں کوئی عضو ایسا نہ تھا جس میں مرصع جواہرات کے زیور نہ ہوں۔ یہ عالم حیرانی میں بت بنے کھڑے تھے۔ اتنی جرأت نہ کر سکے کہ شہ نشین تک پہنچیں۔ ام سلمہ اپنے مسکین شوہر کی پریشانی سے خود متاثر ہوئیں۔ کنیزوں کو حکم دیا کہ شہ نشین کے نیچے دوسرا فرش بچھاؤ حکم کی دیر تھی کہ دوسری زریں مسند بچھائی گئی۔ اور

اس عرصے میں دلہن نے سادہ لباس پہنا اور مرصع زیورات الگ کردیئے۔ یہ حضرت ابھی دم بخود کھڑے تھے کہ امّ سلمہ نے ریلے اور شیریں الفاظ میں مرحبا کہہ کر خیر مقدم کیا ہاتھ پکڑ کر مسند پہ بٹھایا۔ خدا خدا کرکے ابوالعباس کے ہوش درست ہوئے۔ اور بی بی سے مانوس ہوگئے۔ امّ سلمہ نے اسی جلسے میں کہا کہ آپ حلف اٹھائیں کہ جب تک میں زندہ ہوں آپ دوسرا نکاح نہیں کرسکتے اور نہ اس کی اجازت دی جاتی ہے کہ کوئی حرمِ شبستان عیش میں داخل ہو۔ یہ زرخرید شوہر تھے۔ لہٰذا الطیب خاطر نے سرے سے ایجاب و قبول ہوا۔ اور دونوں میاں بیوی عیش و آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔

ابوالعباس کو یہ نکاح مبارک ہوا اور ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اور چند ہی سال میں خلافت بنی امیہ کو پامال کرکے خلیفہ بن گئے۔ حکمران ہوتے ہی رنگ بدلا۔ مگر جوہر شرافت کا اثر تھا کہ پوری جمال بی بی کے مطیع رہے۔ کسی دوسری عورت کی طرف دیکھنا گناہ سمجھتے تھے۔

اب دربار میں مختلف الخیال اصحاب جمع ہو رہے تھے نیک اعمال بھی اور سیہ کار بھی۔ چنانچہ ندیموں میں ایک خالد بن صفوان بھی تھے جو بڑے نقطہ گو، حاضر جواب اور لسّان تھے۔ انہوں نے ایک دن عرض کیا کہ "مدت سے موقع کا منتظر تھا۔ آج کوئی نہیں ہے۔ اگر حضور پسند فرمائیں تو دروازہ بھی بند کردا دیا جائے۔ مجھے خلوت میں کچھ گذارش کرنا ہے" درخواست منظور ہوئی حاجب کو حکم دیا گیا کہ کوئی آنے نہ پائے۔ مطمئن ہونے پہ خالد نے تقریر شروع کی۔

امیرالمومنین! خادم کو حضور کی حالت دیکھ کر تعجب ہوتا ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ

باوجود تنہا سلطنت آپ پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ آٹھوں پہر آپ اس کی اطاعت میں مصروف رہتے ہیں اگر وہ بیمار ہو جائے تو حضور بھی بیمار ہیں۔ گھڑی بھر کو وہ نظر سے اوجھل ہو جائے تو آپ آپے میں نہیں رہتے ہیں۔ اور مخفی میں غلامی کے طفیل امیرالمومنین دنیا کی تمام لذتوں سے محروم ہیں اگر یہ پھندا گلے سے نکل جائے تو ایک منظر معلوم ہو اس دنیا میں کیسی کیسی نازنینیں پری وش اور دل ربا عورتیں موجود ہیں کوئی قد رعنا میں قیامت ہے۔ کوئی سر سے پیر تک فتنہ عالم ہے۔ کوئی نازک بدن اور نازنین ہے کوئی سانولی صورت اور موہنی مورت ہے۔ کوئی مدینہ کی جادو بیان ہے کوئی طائف اور یمامہ کی سحر طراز ہے کسی کی چتون زہر میں ڈوبی ہوئی ہے کسی کی سیہ تاب زلفیں دل کے لئے کمند ہیں۔ نظر کے تیر کلیجے کے پار ہوتے ہیں۔ علاوہ کنیزوں کے شاہزادیاں (بنات الملوک) بھی ہیں جو محل میں داخل ہو کر باعث راحت ہو سکتی ہیں۔

سچ ہے ؎ نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں لذت از گفتار خیزد

جب تقریر ختم ہوئی تو ابوالعباس نے کہا کہ میاں خالد: تم نے آج وہ باتیں سنائی ہیں جو میں نے کبھی نہیں سنی تھیں۔ تم سچ کہتے ہو۔ بلاشبہ میں دنیا کی تمام لذتوں سے محروم ہوں۔ تمہارا یہ افسانہ بہت ہی دلکش ہے۔ جی چاہتا ہے کہ پھر سنوں۔ خالد نے اپنی تقریر دہرائی اور اس مرتبہ اور بھی زیادہ لفاظی سے کام لیا۔ یہ وہ مشک نافہ تھا جس نے سفاح کے دماغ کو عطر آگیں کر دیا۔ اور خالد کی دلدوز تقریر سے کچھ دیر کے لئے امیرالمومنین کا

دل صد درجہ الوان ڈاؤن ہو گیا اور ام سلمہ سے جو معاہدہ تھا وہ بھول گئے اور خالد کو رخصت کر کے غور و فکر میں پڑ گئے۔

سفاح خالد کی بتائی باتوں کی دھن میں تھا کہ اتنے میں ام سلمہ آ گئیں میاں کو ملول دیکھ کر پوچھا: خیر تو ہے کس بات کی فکر ہے؟ کیا کوئی خبر آئی ہے؟ کیا کوئی غنیم آ رہا ہے جس سے آپ پریشان ہیں۔ سفاح نے جواب دیا کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ اب مجبوراً سفاح نے خالد کی تقریر ام سلمہ کے سامنے دہرائی۔ یہ فسانہ سنتے ہی ام سلمہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور خشم آلود نگاہوں سے میاں کی طرف دیکھا اور بولیں: خیر میں نے آپ کی رام کہانی سنی۔ اب یہ فرمایئے کہ آپ نے اس حرام زادے (ابن الفاعلہ) کو کیا جواب دیا؟ سفاح اس سوال پر بگڑا اور کہا واہ بیگم صاحب: خالد نے تو مجھے نیک مشورہ دیا ہے اور آپ اسے گالیاں دے رہی ہیں۔ ام سلمہ کو اس جواب کو سننے کی کہاں تاب تھی۔ آگ بگولہ ہو کر اٹھی اور اپنے محل میں جا کر دس غلاموں کو حکم دیا کہ خالد بن صفوان کو اس قدر مارو کہ اس کی ہڈیاں چور چور ہو جائیں۔

اب خالد کا حال سنئے۔ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ میری تقریر سفاح پر اثر کر گئی ہے اب اس کی زندگی کا نیا دور شروع ہو گا اور میری بن آئے گی اور یہ بھی خیال تھا کہ امیر المومنین کا چوبدار خلعت اور انعام لے کر آتا ہو گا۔ یہ اسی چکر میں تھے کہ غلاموں نے دروازے پر دستک دی۔ آپ فرطِ مسرت سے بے خود ہو کر باہر نکل آئے اور بولے: جناب! خالد میں ہوں اور جو آپ انعام لائے ہوں وہ جلد دیجئے۔ غلاموں نے کہا: لیجئے اور بے تکان ڈنڈے بازی شروع کر دی۔ خالد بھاگے اور دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے اور کچھ دنوں تک گھر کے

اندر روپوش رہے۔ اس کے بعد پھر دربار سے طلبی ہوئی۔ خالد کا خون خشک ہو گیا اور سمجھے کہ اب جان کی خیر نہیں۔ تاہم ڈرتے ڈرتے ایوان خلافت تک پہنچے۔ سفاح کی نشست کے قریب ہی دوسرے دالان میں باریک پردہ پڑا ہوا تھا اور کسی کے چلنے پھرنے کی حرکت بھی محسوس ہوتی تھی۔ خالد نے قیاس کیا کہ امیر المومنین کے قریب ہی ام سلمہ بھی تشریف فرما ہیں۔

سفاح نے پوچھا: خالد! کہاں غائب تھے؟ عرض کیا: کہ غلام گھر میں بیمار پڑا ہوا تھا آج حسب الحکم حاضر ہوا ہوں۔ سفاح نے کہا کہ گذشتہ صحبت میں تم نے حسین عورتوں کے دلچسپ حالات سنائے تھے آج پھر وہی داستان سناؤ! خالد نے عرض کیا کہ عرب میں سوکن (دوسری عورت) کو ضرۃ کہتے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ ضرر (نقصان) سے مشتق ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ جس نے ایک بی بی کے ہوتے ہوئے دوسری عورت کی اس نے ضرر اٹھایا۔ سفاح نے خفا ہو کر کہا کہ تم نے مجھ سے پہلے دن یہ ہرگز نہیں کہا تھا جو اس وقت کہہ رہے ہو۔

خالد: حضور! خدا کی قسم میں نے یہی عرض کیا تھا اور پھر کہتا ہوں کہ جس گھر میں تین بیبیاں ہوں تو وہ جہنم کا نمونہ ہے یا یہ کہنا چاہیئے کہ ایک دیگچی ہے جو چولھے پہ ابلتی رہتی ہے۔

یہ سن کر سفاح بہت ہی برہم ہوا اور کہا: حضرت عباسؓ کی قسم یہ سراسر جھوٹ ہے!

خالد: امیر المومنین کو یاد نہیں رہا میں نے تو یہ بھی عرض کیا تھا کہ جس مرد کے چار بیبیاں ہوں وہ ہمیشہ مبتلائے آفت رہے گا۔ کم بخت اس کو قبل از وقت بوڑھا بنا دیتی ہیں اور بیمار ڈال دیتی ہیں اور یہ محل کی لونڈیاں سنڈی دیونیاں خدا ان سے محفوظ رکھے ان میں اور مردوں میں صرف ایک خاص فرق ہے۔ اس فقرے پر پردے کے پیچھے سے ایک قہقہہ کی آواز آئی۔

اور خالد نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا: امیر المومنین! میں نے یہ بھی تو کہا تھا کہ آپ کے محل میں قبیلۂ قریش کا ایک مہکتا ہوا پھول ہے اس کے ہوتے ہوئے آپ دوسری عورتوں اور لونڈیوں کو تاک کتے جھانکتے ہیں۔

پردہ سے آواز آئی، چچا جان! تم سچ کہتے ہو۔ تم نے یہی کہا ہوگا لیکن یہ سب باتیں انہوں نے اپنے دل سے گھڑ کر تمہاری طرف منسوب کردی ہیں۔ ام سلمہ تو قہقہے لگا رہی تھی اور سفاح خالد کو گالیاں دے رہے تھے۔ حرام زادے! بدمعاش! شیطان! خدا تجھ سے سمجھے! اے مردود تو نے مجھے جھوٹا کر دیا۔ موقعہ کو غنیمت سمجھ کر خالد فرار ہوگیا۔ آتے وقت تو موت کا یقین تھا مگر جاتے وقت صلہ و انعام کی امیدیں تھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خالد گھر پہنچا ہی تھا کہ ام سلمہ کی طرف سے دس ہزار دینار اور ایک گھوڑا سواری کے لئے پہنچ گیا اور یہ بات گئی گذری ہوئی۔

البرامکہ

مصنفہ محمد عبدالرزاق کانپوری

۴۔ المنصور

۵۔ ملکہ خلیفہ الحکم مستنصر باللہ (اندلسی)

۶۔ دھیاں جنوائی لے گئے بہوواں لے گئیں پوت

تریا جوبن لے گئی رہے اوت کے اوت

کبیر

○

مقصدِ شعر ہے ترسیلِ خیال و جذبہ
آلۂ کار بنا اس کو نہ جلبِ زر کا

ہر زمانے کو رہے شاعرِ تازہ کی تلاش
ہر نئے دور کو درکار ہے اظہار نیا

فن نگہداشت کرے صاحبِ فن کی یوں ہی
جیسے بالوں میں نجھنّہ کو لگائے تونا

خوف ہے جوہرِ تخلیق و تجدّد کا عدو
اہلِ فن پڑھتے ہیں دن رات کتابُ الشہدا

عزمِ تخلیق تڑپتا ہے رگ و ریشہ میں
مری تحریر مرا گوشت ہے میرا شعلہ

متمنّی ہُوں جنابِ احدیّت سے میں
قول میرا ہے : رضینا بقضاءِ اللہ

ہر زمانے میں نمودار بھی روپوش بھی ہیں
ہیں عزائمِ عُلیٰ ، لات و منات و عُزّیٰ

حال میں زندہ ہے ماضی اسے مُردہ نہ کہو
جو نیا ہے وہ پرانا جو پرانا وہ نیا

کس طرح تیری دُعا عرشِ بریں تک پہنچے؟
عبد و معبوُد میں حائل ہیں عقولِ عشرہ

ہر مسیح اپنے زمانے سے کرے استفسار
مجھے کس جُرم کی پاداش میں مصلوب کیا؟

كلّموا النّاس على قدرِ عقولِهم کو [2]
نظر انداز کیا جب بھی تو افسوس ہوا

لوگ درپے ہوئے مریم کے تو گہوارے سے
ابنِ مریم نے پکارا : کہ انا عبد اللہ!

وہی ہومر جسے یونان کی انجیل کہیں
ہم پیالہ تھا خمستانِ ازل میں میرا!

---

[1] قرآن : افرأیتم اللات والعزّٰی ومناۃ الثالثۃ الاخری
شیطان : تلک الغرانیق العُلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ

[2] رسولؐ

ادب

ادب سے ہو اے خوش صفیر!
کفِ خاک روشن ضمیر!
ہے یہ ملکِ دل کا سفیر!
فرشتوں کے پنکھوں پہ چلتا ہے سرجادۂ علم پر چلنے والا
کہ دراکِ اسرار ہے قلبِ خاشع
گلِ نو دمیدہ کی مانند تازہ
پہاڑوں کی مانند بوڑھا
نبوت نہیں ہے یہ ہے علم و حکمت
ہمارا نہیں کوئی وارث جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے ترکہ نہیں ہے
ہیں دانا کی کھوئی ہوئی چیزیں اقوالِ زرّین دانش
ادب عظمت و قدرت و کبریائی

ادب حسن و آزادی و بے ریائی
ادب خامہ فرسائی و خوش نوائی
گناہوں میں ڈوبی ہوئی پارسائی!

ملے اکتساب محامد ہی سے عظمت و عبقریت
تعیش ہے بے مقصدیت
بڑھے آگے آدرش سے آدمیت
کہ ہے بے عمل قول جھوٹی محبت
امیروں سے رکھتے ہیں زربتیہ صحبت
ہو درویش و فنکار ہی میں فقط ترکِ دنیا کی ہمت
غنا دل کا ہے سیم و زر کا نہیں
امیری تو ہے دل کی آسودگی مال و دولت نہیں
مال محروس ہے عقل حارس
صدف کی طرح بند رکھ منہ
نہ کر عیب جوئی نہ کر خود نمائی
خموشی ہے زین و وقارِ حکیم

کہا : اوصِنی ، اے رسولِ کریمؐ !
ملاحکم : اخبِن حواسِکُ واستفتِ قلبکْ
یہ دُنیا ہے دُنیائے اُمید و بیم
خدا کی رضا پر جو شاکر رہے
بالآخر اسے سرخروئی ملے
و من یخذُلُ اللہُ یخذُلْ
جو آپے سے باہر ہو پاگل

ہمیشہ سے شک علم کا ہمسفر ہے
حقیقت کی کس کو خبر ہے ؟
یہ دُنیا ہے گویا دھوئیں کا محل
فماذا التصابی ، وما ذا الغزل؟
ہمارے لئے کوئی فردا نہیں
(نہیں ہمنواؤ ! مرا یہ عقیدہ نہیں)
کسوٹی دروغ و صداقت کی دل ہے
کوئی آدمی بھی مکمل جزیرہ نہیں

کسی برِّاعظم کا حصّہ کسی کل کا ہے جزو
زندگی مادّی ہے نہ میکانکی
ثمر ریزیٔ قوّت اختراع
یہ سفلی کا ہے علویت کی طرف ارتقا
ہے "نافع" کو دارِ عمل میں بقا
جو اپنے لئے ہی جیا کیا جیا؟

اے اہلِ ادب! اے شہیدانِ عیش و طرب!
خوشی اور فن میں سے اِک چیز چن لو
ہے اک سمت ایثار و اندوہ اک سمت لہو و لعب
معیّن کرو اپنی منزل کی لیکھ
پڑھو اپنے کرموں کی ریکھ
ہے دُکھ، درد، چنتا کلا کا بسیکھ
تمہاری لڑائی ہے الفاظ سے
حروف و مفاہیم و آواز سے

دلوں کے عوارض سے رُوحوں کے امراض سے
بنی نوعِ آدم کے آلام و افکار سے
جہالت سے ظلمت سے رجعت سے ادبار سے
غم و یاس سے بھُوک سے ظلم سے جور سے
نہیں دیکھتا ہے زمانہ بڑے غور سے
نہ بھاگیں جوانمرد میدانِ پیکار سے
لڑو حرف کی ڈھال لفظوں کے ہتھیار سے
قلم بڑھ کے ہے زور و طاقت میں تلوار سے!

لہ انزل من السماءِ ماءً فسالت اودیۃ بقدرھا فاحتمل السیلُ
زبداً رّابیاط ومما یوقدون علیہ فی النار ابتغآء حلیۃٍ
او متاعٍ زبدٌ مثلہٗ ط
، کذلک یضرب اللہ الحقّ والباطلَ ط فامّا الزبدُ فیذھبُ
جُفآءً و امّا ما ینفع الناس فیمکث فی الارض

القرآن ۱۳ : ۱۸

وخیر النّاس من ینفع الناس ط
خیر الاعمال ما نفع رسولؐ

○

سر زمینِ پاک ہے بیت الصنم
نقشِ فردوسِ بریں ، عکسِ ارم

سارے دلیشوں سے حسیں آمار دیش
سر بلند و شاندار و محترم

برتر از اندیشۂ سود و زیاں
بُت کدہ دے کر لیا ہم نے حرم

کوزۂ گِل میں پئیں آبِ زلال
کیا خمِ صہبا ، کہاں کا جامِ جم !

سُرمئی مٹی ہے سُرمہ آنکھ کا
سبز پرچم ماہ و انجم کا علم

غازۂ رُخسار ہے گردِ وطن
کیا یہ خوشبودار اُبٹن سے ہے کم؟

اے دیارِ پاک ہم تجھ پر نثار
حرمتِ مادر کی کھاتے ہیں قسم

ہم جلائیں گے ترے گھر گھر میں دیپ
لَو نہ ہونے دیں گے اپنے دل کی کم

ہے جُدا دریا سے کیا دریا کی لہر؟
لے توانائی تو ہم سے تجھ سے ہم

ہم نے دیکھا ہے سُندر بنگال کو
رقص ، نغمہ ، میگھ ، جل ، سبزہ ، صنم

نذرل و ٹیگور کے نغموں کا دیس
جس سے جَن گَن[1] مَن کا اُبھرا زیر و بم

ہم نے ہنس ہنس کے سہے ہر دور میں
ظلم بیگانوں کے ، اپنوں کے ستم

پیروِ دل بن کسی کو دل نہ دے
داغِ رسوائی ہے فکرِ بیش و کم

مت بنا دل کے حرم کو بُت کدہ
حُبّک الاشیاءَ یعمیک و یصم

کھڑکیوں کی آنکھ دیواروں کے کان
دشمنوں کے درمیاں رہتے ہیں ہم

آگ ہے معبُود جس دل سے جلی
کوئی اس کے سامنے مارے نہ دم

ترک۔ فرصت، نزک۔ اطمینانِ قلب
جس قدر اسباب اتنا فکر و غم

ذاتِ[۲] باری میں تفکر جہل ہے
کس نے کی سیّاحیٔ دشتِ عدم؟

ترک کر ماضی کو مستقبل کو دیکھ
بطنِ شب سے صبح لیتی ہے جنم

ہو فزوں سوزِ محبت ہجر میں
پے بہ پے لحظہ بہ لحظہ دم بہ دم

دل فروزاں التہابِ شوق سے
جذبۂ ممنونیت سے آنکھ نم

جو بنایا تُو نے سو تو ہے نہیں!
کیا دروغ ہیں مجھے ترے قول و قسم؟

جنگ ہے ہو توں نہو توں ہیں بپا
ہے ادھر کا آہ و ، ادھر ضحاک و جم

تھا جو نا ممکن کبھی ، ممکن ہوا
پہنچے ستاروں پہ انساں کے قدم

کیوں کریں پروائے غوغائے جہاں
اہلِ دل ہیں بے نیازِ مدح و ذم

چھپ گئی کس کُنجِ گُل میں شولمیت؟
اے بناتِ وادیٔ یوروشلم!

ہم زبانی خویشی و پیوند ہے!
جانتے ہو تم تو اے اہلِ قلم!

سحرِ انشائے خیالستان سے
زندہ ہیں سجاد حیدر یلدرم

فن جنم لیتا ہے دُکھ کی کوکھ سے[1]
ہے دلِ شاعر میں ہیکوبا[3] کا غم!

خالد اپنا بھی عقیدہ ہے یہی[2]
حسن سچائی ہے ستیم سندرم[4]!

---

[1] جن گن من ادھی نایک جے ہے ۔ ٹیگور
[2] تفکروا فی آلاء اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ۔ رسولؐ
[3] ٹرائے کے اُجڑے دیار کی بدنصیب ملکہ۔
[4] سچائی حسن ہے۔

محبّت کی راہیں

محبّت کی راہیں پُر اسرار ہیں
ہوا سے محبّت کرے آگ پانی سے مٹّی
طبیعت زخود رفتہ ہو خود بخود
پگھل جائے موم آگ کی آنچ میں
حسیں جامہ زیب و طرحدار ہیں
خود اپنے ہی نشّے سے سرشار ہیں
جس سے چاہے یہ دل آشنائی کرے
عجب اس کی ہیں خصلتیں
جو اس پر مرے اس سے یہ بے وفائی کرے
ہم اس کی تلوّن مزاجی سے بیزار ہیں
برستی ہے آنکھوں سے بدلی، ترستا ہے جی

محبّت! ہمیں تو خوشی کیوں نہیں بخشتی؟
پھر ملاقات قسمت پہ موقوف ہے
نکل آئے آنکھوں سے آنسو، بجا
فغاں و بکا کا مگر فائدہ؟
یموّت الکرامُ بدینِ الہوٰے
یہ طوفان و ہیجان کا دور ہے
پھریں اہلِ دل کوُ بکوُ
گریباں دریدہ، خراشیدہ رو
ہوں جس شہرِ بیدرد میں
نہ چاکِ گریباں کے بھی بخیہ گر
کرے کون چاکِ جگر کو رفو؟
خونِ عشّاق سے سب گزرگاہیں گلنار ہیں
محبت ہے اِک اشتراکِ تبسّم، مگر
سحر انگیز ہوتا ہے رونا ہُوا حُسن بھی
ہیں آنسوُ شفائے دلِ سوگوار
یونہی بیت جائے گی روتے سسکتے جوانی؟
جو لٹتا نہیں ہے وہ ہرتا نہیں

کرو زندگی سے محبّت
محبّت ہے دولت، محبّت ہے طاقت
محبّت ہے گنجینۂ علم و حکمت
ہر اک شے سے سخت و جلیل، گرانبار تر
وہ کودن ہے اس کو
جو کہتا ہے بے سایہ و بے ثمر
سمجھتے ہیں وہ جو سمجھدار ہیں
نہاں آبِ حیواں ہے ظلمات میں
اوڑھنی ہے اندھیرے کی چادر عروسِ سحر
حال زندہ ہے ماضی کے مُردہ دلوں کا نہ ماتم کرو
حقیقت کے سانچے میں خوابوں کو ڈھالو
کرو ترک کمتر کو بہتر کو ڈھونڈو
کہو وادیٔ شوق کے رہرو‌ں سے
رہیں سرمست ہوں بات آہستہ کر)
زندگی اِک سفر ہے بہت مختصر

تیز چلتا ہے تنہا سفر کرنے والا

ہماری جوانی کے دن ہیں ہماری حکومت کے دن
ہیں پرومیتھیس کی طرح دیوتاؤں سے ٹکرّ
جو پیلانِ آشفتہ کی طرح کرتے ہیں مستی
سمجھتے ہیں سب کو جو اپنا سا کپٹی
جو مردار خواری کریں کرگسوں کی طرح
پئیں جو لہو جرعہ جرعہ زمیں کی طرح
جنیں کی طرح
سمجھتے ہیں سپنوں کی نیّا کا خود کو کھویا
سبھا میں پھریں جس طرح گوپیوں میں کنہیّا
کنیزوں ندیموں کو لے کر بغل میں
کریں بوسہ بازی و پستان مالی
جلالی بنیں بزمِ شب میں جمالی
کہ یا کافرستان کا بودلک
مہ جبینانِ نو ناز میں
پری چہرگانِ خوش آواز میں
دگر دنبی ہرنیوں، نیل گایوں کی سی جن کی آنکھیں)

مناتا ہے جشنِ چنگیز
ہر شب بھر میں سو نازنینوں کو توڑے
مروڑے لچکدار باہوں کو محفوظ ہونٹوں کے
رس کو نچوڑے
کسی کو اچھوتی نہ چھوڑے
زہے حالتِ پُر حلاوت!
رہے تو ہوس ہر نفس تشنہ تر
شرابی کبھی ہو نہ پانی سے سیر
گو زنِ جواں کو کہاں چھوڑے شیر؟
بالآخر ہمیں اپنا قرضہ چکانا پڑے گا
لڑائی سے بھاگے نہ مردِ دلیر

ہے نکتارِ ذلت سے بہتر ہلاہل
سلاسل بدلنے سے زنجیریوں کا مقدر نہ بدلے
غلامی کے دھبوں کو دھوتا ہے خونِ شہادت

بلا مزد خدمت ہے شانِ پیمبر
ہے زہدِ ریائی
فقط جگ ہنسائی
کسے دعویٰ پارسائی ؟
کہاں ہے نگاہِ حقیقت نگر ؟
حکم کبریتِ احمر کا رکھتے ہیں اہلِ نظر
زندگی ہے صدف ، مقصدِ زندگی ہے گہر
زندگی حسن بھی فرض بھی!
فیض بھی فرض بھی
پلک زندگی، موت سختی تناؤ
ہیں حرص و غرور و حسد امّہات المعاصی
کر اعراضِ دنیا سے اِعراض کر
ہے تہذیبِ دل ہی مداوا
غمِ بیش و کم کا
جو تھوڑے پہ راضی ہوں شاداں رہیں
زمانہ پرستوں کی خو
تقیہ ، تعصب ، غلو

کہیں نا تراشیدہ کندوں کو ہم کنش و کینہ
ہے چہروں پہ لالی مگر ذہن بیمار ہیں

جنوں کے سوا کچھ اور ہی نہیں
رہِ عشق میں درد ہمراہ ہے
بنا عشق کی بے قراری پہ ہے
کہاں مرہمِ داغِ دردِ جدائی؟
پسِ پردۂ آشنائی ہے بیگانگی
غموں کا سمندر ہے معشوق و عاشق میں حائل
ترے عارض و لب مرے خونِ دل کے گواہ
بہایا اسے تیرے ہاتھوں ہی نے بے گناہ
اپنی آنکھوں کی مانند تیرے پپوٹوں میں بھردوں
جدائی کا زہرِ سیاہ !

کہاں ہیں محبت کے خیمے، مسرت کے چشمے!
پہاڑوں سے اونچے سمندر سے گہرے
فراموش ہوں عہد و پیماں !
ہے احساں فراموش انساں
کف آلود دریا و تفسیدہ صحرا
وفا کی تھی امید جس سے وہ غدار نکلا
ہر اک بن میں چندن ایجتا نہیں
کھلے کام پڑنے پہ ہی آدمی کی حقیقت
جہاں دیدہ کار آزمودہ،
سمجھتے ہیں ہم عشق کی فیلسوفی
بیک وقت محتاط، بے خوف، رجعت پسند، انقلابی
کنول کی طرح مسکراتے ہیں جیون کے جوہڑ میں ہم
ہم اہلِ ہمم
سہیں مسکرا کر زمانے کے ظلم و ستم
کبھی ہاتھ سے جیتے جی ہم نہ چھوڑیں علم

ہمارا علم

تیشہ و خامہ و مو قلم
خاک ہے ارغواں، سنگ ہے پرنیاں
انگبیں جواں!

مقید ہیں ظلم و تشدد کے برفانی پنجروں میں ابنائے آدم
کہیں جامِ جم ہے کہیں چشمِ نم
کوئی بربری تخت پر جلوہ گر
کوئی الوری بسملِ شامِ غم

زمیں ہم پہ ماں کی طرح مہرباں
ٹپکتے ہیں دل سے خیالات، بہتا ہے چشمے سے پانی
ہے گردش میں جامِ مئے ارغوانی
فغانِ جرس ہے نہ بانگِ درا

کریں جہان کو خرّم و شاد و تازہ
سمجھتے ہیں اِک دوسرے کو ہمارے بدن
گلبدن!
ہے تو ہی پہاڑوں کی دیوی، بہاروں کی رانی
ہے قوسِ قزح
مرصّع گلوبند، شنگرف غازہ ترا!

تیری آنکھوں میں ہیں زعفرانی شفق کے دھند لکے
یہ آنکھیں شبِ تار ہیں جیسے چمکیں دو جڑواں ستارے
محبت سے بوجھل یہ مخمور و مغموم آنکھیں
یہ خاموش و گویا و مظلوم آنکھیں
مدیرا بھری خواب آلود معصوم آنکھیں
تو سرمایۂ دلبری، لب ترے انگبیں!
رسیدہ مگر نا چشیدہ
ہے کنچن سا تن اور کافر سراپا
سیہ چشم و بالا قد و ماہ سیما

لباس و بدن میں لونڈر کی خوشبو
اندھیرے میں جب تک چمکتا ہے چاند
ترے حسن کی روشنی ہو نہ ماند

غلافِ شگوفہ سے گل کو نکال
درِ ناسفتہ کب تک رہے گا نسفتہ؟
مرا شوق، میرے شرر بار آنسو
مری ناتوانی دلیلِ محبت نہیں؟

بتانِ کراچی کے کولھوں کی مانند بوجھل ہے دل
رشکِ دینار چہرے سے کہہ طالبِ وصل کو مرحبا
پئے خیر مقدم
میں زیرِ قدم
بچھاؤں گل و یاسمن
بغل گیر ہوں جیسے مریخ و زہرہ
مرا پیشہ فن، ما انا من ددٍ
لپکتا ہوں اس کی طرف

جو بڑھتا ہے میری طرف اک قدم!

یہ احسان ہے مکرمت ہے کرم

کہاں کی محبّت کہاں کی غزل؟
یہ گرم اختلاطی ہے مکر و دجل
طلسم فریب و گماں سے نکل
میں ابلا ہوں نربل نہیں
مجھے جسم بے دل نہیں چاہیے
نہ واقف ہو جو شخص اس بھید سے
اُٹھائے گا کیا ناز معشوق کے؟
سمجھتا ہے قلب حزیں
فقط جسم تم نے دیا ہے مجھے دل نہیں

گزرگاہ رہرو ہوں منزل نہیں
چلاتا ہے شاعر اندھیرے ہیں تیر
طلب گارِ تن ہے نہیں یارِ دل

دلِ بے ضمیر!
ہو لفظوں کے قاروں پہ نادارِ دل
عشق ہے میری صورت سے مجھ سے نہیں
نرگسیت کا ہے حسن خود بیں اسیر
میں نورت ہوں عورت سمجھتی ہے اسرارِ دل

کوئی دوسری خود کو آراستہ کر رہی ہے تمہارے لئے"

دل کے ہاتھوں سے سب لوگ لاچار ہیں
محبت کی راہیں پُر اسرار ہیں!

The Story of Mars and Venus

The Sun sees all things first. The Sun they say,
Was the first one who spied on Mars and Venus,
When they were making love The Sun, offended,
Went with the story to her husband, Vulcan,
Telling him all the when, the how, the where,
And Vulcan dropped whatever he was doing,
And made a net, with such fine links of bronze
No eye could see the mesh· no woolen thread
Was ever so delicate, no spider ever
Spun filament so frail from any rafter.
He made it so the slightest touch would bend it,
The slightest movement make it give, and then
He spread it over the bed, and when the lovers
Came there again, the husband's cunning art
Caught them and held them fast, and there they were

Held in each other's arms, and Vulcan lord
Of lemnos, opened wide the ivory doors
And called the gods to come and see They lay there,
The two, in bondage, in disgrace And some one,
Not the least humorous of the gods in Heaven,
Prayed that some day he might be overtaken
By such disgrace himself And there was laughter
For a long time in Heaven, as the story
Was told and told again

Ovid
Metamorphoses
Book Four